اس شمارے کا اہم مضمون

ڈاکٹر اسرار احمد اور ان کی دینی خدمت

مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدظلہ ڈائرکٹر حضرت شیخ الہند اکیڈمی دیوبند کے تاثرات

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of :

WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS, TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS PRODUCTS,

HEAD OFFICE :

5-C, 5th FLOOR, SIDCO EVENUE CENTRE
264-R. A. LINES, KARACHI (PAKISTAN)

2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE
TELEFHONE : 870512 880731

ماہنامہ
میثاق
لاہور

جلد ۳۴ | مئی ۱۹۸۵ء مطابق شعبان المعظم ۱۴۰۵ھ | شمارہ ۵

مشمولات

عرض احوال —— ۳
جمیل الرحمٰن
تذکرہ و تبصرہ —— ۱۹
ایک خطابِ جمعہ ——
ڈاکٹر اسرار احمد
ڈاکٹر اسرار احمد اور ان کی دینی خدمت ۵۹
مولانا سعید احمد اکبر آبادی
کیا ایرانی انقلاب اسلامی انقلاب ہے؟ ۶۳
(دوسری و آخری قسط)
ڈاکٹر اسرار احمد
مُراد آباد (بھارت) سے ایک مکتوب ۸۷
افتخار فریدی
حسنِ انتخاب —— ۸۹
علماء کب اٹھیں گے؟
مولانا محمد زکریا

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون
۳۰ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیمِ اسلامی
فون : ۸۵۲۶۱۱

سب آفس : ۱۱ داؤد منزل
نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت کراچی

کراچی دفتر کا فون نمبر
۲۱۶۵۸۶

عام طور پر ہمارے یہاں

توحیدِ علمی و نظری — یعنی — توحید فی العقیدہ

پر تو بہت زور دیا جاتا ہے، لیکن

توحیدِ عملی

پر کماحقہٗ توجہ نہیں دیجاتی

ڈاکٹر اسرار احمد

پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ زُمر تا سورۂ شوریٰ پر تدبّر کے دوران

توحیدِ عملی کے انفرادی اور اجتماعی تقاضوں

یعنی: اخلاص فی العبادت اور اقامتِ دین کی فرضیت

کو خوب منکشف بھی فرمایا اور بیان کی توفیق بھی مرحمت فرمائی، اور

شیخ جمیل الرحمٰن کی محنت نے ان خطابات کو کتابی صورت دیدی

سائز ۱۸ × ۲۲ / ۸ ○ صفحات ۱۹۲ ○ عمدہ سفید کاغذ ○ دیدہ زیب کور

ھدیہ: ۱۵ روپے، علاوہ محصول ڈاک

مکتبہ تنظیمِ اسلامی: ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن ○ لاہور ۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بفضلہٖ تعالیٰ میثاق ماہ شعبان المعظم ۱۴۰۵ھ مطابق ماہِ مئی ۱۹۸۵ء قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے۔ ہماری بھرپور کوشش تھی کہ گزشتہ ماہ کا شمارہ تنظیم اسلامی کے دس سالہ اجتماع اور مرکزی انجمن خدام القرآن کے ساتویں محاضراتِ قرآنی منعقدہ ۲۳ تا ۲۸ / مارچ ۸۵ء کے دوران پریس سے آجاتے ۔ لیکن لاہور میں بجلی کے لوڈ شیڈنگ کا جو سلسلہ قریبًا دو ماہ سے جاری ہے اس سے شہر کا تمام کاروبار متاثر ہو رہا ہے ۔ اس ضمن میں بے تدبیری کا یہ عالم ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ لوڈ شیڈنگ کے اوقات کسی ضابطے کے تحت مسلسل تین چار گھنٹے یا اس سے زائد ہوں بلکہ دن میں بھی اور رات میں بھی وقفہ وقفہ کے بعد بغیر کسی پیشگی اطلاع کے سلسلہ جاری رہتا ہے مثلاً دن میں دو تین بار قریبًا گھنٹہ گھنٹہ کے لئے بجلی چلی جاتی ہے اور بجلی سے چلنے والے کارخانے، پریس، فیکٹریاں معطل ہو جاتی ہیں ۔ مشینیں بند ہو جاتی ہیں اور کارکن بیکار ۔ چنانچہ شمارہ پریس سے ۳/ اپریل کو مل سکا ۔ حکمتِ قرآن کا مارچ واپریل ۸۵ء کا مشترکہ شمارہ جو ۱۸/ مارچ کو پریس چلا گیا تھا تاحال نہیں آسکا ہے ۔ اب 'میثاق' کا مئی کا شمارہ ۲۰/ اپریل تک پریس بھیجنے کا انتظام پیش نظر ہے ۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ طباعت اور جلد بندی کے مراحل طے کرنے میں کتنا وقت لگے گا ! ۔ السعی منا والاتمام من اللہ ۔

مئی ۸۵ء کے زیرِ نظر شمارے میں قارئین کو مطالعہ کے لئے نہایت بیش قیمت مضامین ملیں گے ۔ اس میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کا وہ خطابِ جمعہ شامل ہے جو موصوف نے ۲۹/ مارچ کو ارشاد فرمایا تھا، مزید براں حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی دامت فیوضہم کے وہ ارشاداتِ گرامی بھی شامل ہیں جو موصوف نے

محاضراتِ قرآنی کے لئے بحالتِ علالت ریکارڈ کرائے تھے ۔ ساتھ ہی ڈاکٹر صاحب موصوف کے خطاب "کیا ایرانی انقلاب، اسلامی انقلاب ہے ؟" کی دوسری اور آخری قسط شاملِ اشاعت ہے ——————— اور یہ تمام مضامین بالاستیعاب مطالعہ کے متقاضی ہیں ۔ 'میثاق' کی ضخامت ۹۶ صفحات مقرر ہے لیکن مارچ کے شمارے میں ۲۴ اور اپریل کے شمارے میں آٹھ صفحات کے اضافے کے باوجود چند مستقل مضامین کی اقساط کو روکنا پڑا جس سے جہاں قارئین کرام کو وجہِ شکایت ہوئی، وہاں ہمارے لئے بھی دلی دکھ کا باعث ہوا ۔ ہماری خواہش ہے کہ مستقل طور پر کم از کم ۱۶ صفحات کا اضافہ کر دیا جائے لیکن اس صورت میں سالانہ زرِ تعاون اور پرچے کی قیمت میں اضافہ ناگزیر ہو جائے گا ۔ اس ضمن میں قارئین کی آرا ہمارے لئے رہنما ثابت ہونگیں ۔

قارئین کرام سے ایک مخلصانہ درخواست یہ ہے کہ وہ 'میثاق' کے حلقہ کی توسیع کے لئے تعاون فرمائیں ۔ اسی طرح دعوت کا حلقہ بھی وسیع ہوگا اور "میثاق" کو مالی حیثیت سے بھی کچھ سہارا ملے گا ۔ ہمارے مستقل قارئین بالخصوص تنظیمِ اسلامی کے رفقاء اگر اپنے حلقہ تعارف وا نزمیں کوشش کریں تو ہر ماہ کم از کم ایک نیا سالانہ خریدار آسانی سے بنایا جا سکتا ہے ۔ یہ تعاون انشاء اللہ تعاون علی البر شمار ہوگا ۔ توقع ہے کہ اس درخواست پر سنجیدگی سے غور کیا جائے گا اور اسی ماہ سے اس کوشش کا آغاز کر دیا جائے گا ۔

یوں تو تنظیم اسلامی کے دس سالہ اجتماع اور انجمن کے ساتویں محاضراتِ قرآنی کا باقاعدہ آغاز ۲۳ مارچ ۸۵ سے ہوا تھا ۔ لیکن قرآن اکیڈمی میں انکی تیاری کے کام کے ضمن میں ۱۸ مارچ ہی سے چہل پہل شروع ہو گئی تھی اور تنظیم اسلامی کے لاہور کے رفقاء بڑی مسرت اور انہماک کے ساتھ مختلف انتظامات میں مصروف ہو گئے تھے چونکہ محتاط اندازہ یہ تھا کہ پاکستان کے طول و عرض سے قریبًا پانچ سو رفقاء تشریف لائیں گے جن کا قیام آٹھ روز تک قرآن اکیڈمی میں رہے گا ۔

لاہور کے رفقاء نے بہتر سے بہتر انتظامات میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جس کیلئے وہ قابلِ تحسین ومبارکباد ہیں ۔ان کی یہ ساری محنت لوجہ اللہ تھی ان شاء اللہ وہ آخرت میں ماجور ہوں گے ۔

مختلف مزاج، مختلف علاقائی زبان بولنے والوں اور مختلف علاقوں سے آئے ہوئے رفقاء میں بفضلہ تعالےٰ اتنی ذہنی ہم آہنگی تھی کہ آٹھ روز تک قرآن اکیڈمی کی چھوٹی سی دُنیا اتنے بڑے اجتماع کے باوجود متانت ووقار کا مظہر بنی رہی ۔ اور کسی قسم کی مغائرت کا شائبہ تک پیدا نہ ہوا ۔ سترکار کی مصروفیات صبح ساڑھے چار بجے سے شروع ہو کر رات کو قریبًا گیارہ بجے تک جاری رہتی تھیں ۔ درمیان میں بمشکل ڈھائی بجے سے چار بجے تک کا درمیانی وقت آرام کے لئے ملتا تھا ۔ جن رفقاء کے سپرد مختلف کام تھے خاص طور پر جن کے ذمہ دوپہر کا کھانا اور چار بجے چائے کا اہتمام کرنا تھا ان کو آرام کا یہ وقت بھی میسر نہیں آسکتا تھا ۔ یہ تمام ایثار وقربانی، یہ جذبۂ یہ لگن صرف رضائے الٰہی کے حصول کے لئے تھی ۔ اللہ کی رحمت سے اُمید واثق ہے کہ وہ اپنے ان بندوں کو اپنی نگاہ ترحم سے نوازے گا ۔ بمصداقِ ارشادِ ربانی : اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۔

جیسا کہ قارئین میثاق کو علم ہے کہ امسال کے محاضرات قرآنی کا موضوع : "قرآن کا تصورِ دینی" تھا ۔ اور محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے قرآن حکیم اور سنت وسیرت مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے معروضی مطالعہ سے فرائض دینی کا جو جامع تصور اخذ کیا تھا اس کا خلاصہ مارچ ۸۵ء کے "میثاق" کے شمارے میں اس مکتوب کے ساتھ شائع کر دیا تھا اور قریبًا ملک کے اسّی اہلِ علم وفضل کو محاضرات میں تشریف لا کر اپنے اس تصورِ دینی پر تنقید و رہنمائی کی دعوت دی تھی ۔ جن حضرات نے لاہور اور بیرون سے تشریف لا کر اس موضوع پر تائیدی اور تنقیدی واختلافی اظہار خیال فرمایا ان میں سے اکثر نے اپنی تقاریر میں بھی اور نجی تبادلۂ خیال میں بھی ڈاکٹر صاحب موصوف کے اس اقدام کو نہایت مستحسن و مفید اور اس

اجتماع کو اپنی نوع کا پہلا اجتماع قرار دیا کہ کسی جماعت و تنظیم نے اپنے پلیٹ فارم پر ——— اپنے ہم خیال شرکاء کے سامنے اپنے فکر و نظر یہ اور طریق کار پر، تنقیدی و اختلافی اظہار خیال کا موقع فراہم کیا۔ پھر ان حضرات نے سامعین کے نظم و ضبط اور سکون و تحمل کے ساتھ ان تنقیدی و اختلافی آرا کو کھلے کانوں اور کھلے دل کے ساتھ سننے پر بھی خراجِ تحسین پیش کیا۔ اور امیرِ تنظیم کو داد دی کہ انہوں نے اپنے رفقاء کی اس طرح ذہنی تربیت کی ہے کہ انہوں نے اپنے امیر کے تصوّرات پر تنقیدوں کو خوش دلی اور خندہ پیشانی سے سنا۔ ہم اس تمام صورتِ حال پر صمیمِ قلب سے بارگاہِ ربّ العزّت میں ہدیہ تشکر و نیاز پیش کرتے ہیں۔ یہ اسی حق سبحانہٗ کی تائید و نصرت تھی ورنہ ہم کیا اور ہماری بساط اور تربیت کیا!

اللہ تعالیٰ امیرِ محترم کو اپنی رحمتوں سے نوازے کہ انہوں نے بھی اپنے اوپر ان تنقیدوں کو خاموشی اور پوری توجہ سے سنا جو ان کے تصوّرِ دینی اور وضاحتوں میں سے وہ معانی و مفاہیم اخذ کر کے کی گئیں تھیں جو ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھے اس پر بھی موصوف نے قطعی خاموشی اختیار کئے رکھی جیسا کہ انہوں نے پیشگی اعلان کر دیا تھا کہ میں محض سامع رہوں گا۔ اپنی صفائی اور غلط فہمی کو بھی دور کرنے کے لئے بھی موصوف نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ یہ اللہ ہی کا فضل و کرم تھا کہ ایسی تنقیدوں اور غلط فہمیوں کا ازالہ دوسرے مقررین کی طرف سے آپ سے آپ ہو گیا۔

بہر حال امرِ واقعہ یہ ہے کہ امیرِ محترم کے اس اقدام سے جہاں ایک تابندہ نظیر قائم ہوئی ہے۔ وہاں افہام و تفہیم کے لئے ایک مستحسن راہ کھل گئی ہے۔ جب امیرِ محترم نے ان محاضرات میں اپنے تصوّرِ فرائضِ دینی پر علماء کرام کو تنقید و رہنمائی کی کھلی دعوت دی تو ہمارے بعض ممتاز رفقاء نے امیرِ محترم کے سامنے اپنی اس تشویش کا اظہار کیا کہ ہو سکتا ہے کہ ذہنی پراگندگی پیدا ہو، تنظیم کے رفقاء کے موقف میں تزلزل آ جائے جو تحریک کے لئے غیر مفید ہو سکتا ہے۔ امیرِ محترم کا پختہ موقف یہ تھا کہ جب ہم دین کا کام کرنے چلے ہیں اور ہمارا نصب العین

صرف رضائے الٰہی ہے تو ہم علماء حقانی کی رہنمائی اور ان کی تائید کے سخت محتاج ہیں ۔ ہمیں آخرت کی بھلائی اور بہتری کے لئے بھی اہل علم وفضل کی آراء سے مستفید ہونا ضروری ہے ۔ موصوف نے فرمایا تھا کہ میرا مزاج ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ قرآن وسنت کے دلائل سے جو حق بات سامنے آئے اُسے قبول کرنا ہمارے دین کا عین تقاضا ہے ۔ اگر ہم پر ہماری کوئی غلطی کتاب وسنت کے دلائل سے واضح ہو جائے تو اس سے رجوع کرنا عین تقاضائے ایمان ہے ۔ ایسا کرنے سے بلا شبہ جگ ہنسائی ہو گی لیکن یہ اُس رسوائی کے مقابلے میں پر کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتی جو صرف انانیت اور بات کی پچ اور دنیا میں سبکی کے خوف سے غلط بات پر اڑے رہنے سے آخرت میں ہو سکتی ہے ۔ چنانچہ جو بات بھی مجھے حق نظر آئے گی اُسے قبول کرنے میں مجھے قطعی تامل نہیں ہو گا ۔ میں اختلاف اور تنقید سے نہیں ڈرتا مجھے آخرت کا خوف ہے اور میں جو کچھ حقیر سی خدمت کر رہا ہوں وہ مَعۡذِرَۃً اِلٰی رَبِّیۡ کے جذبہ سے کر رہا ہوں — امیر محترم کے اسی جذبہ کے مشاہدے کا ایک موقع اس راقم کو اس طرح میسر آیا کہ جب چند حضرات کی مختصر سی مجلس میں ایک مرتبہ ہمارے ہی ایک محترم رفیق امیر محترم کے ایک موقف کے خلاف اظہارِ خیال کر رہے تھے ۔ دونوں طرف سے دلائل دیئے جا رہے تھے کہ ان رفیق نے اپنے موقف کی دلیل میں ایک حدیث پیش کی ۔ امیر محترم نے فوراً گفتگو بند کر دی اور فرمایا کہ اب جب کہ حدیث سامنے آگئی ہے جو بظاہر احوال میرے دلائل کے خلاف جاتی ہے تو میں جب تک اس حدیث پر اچھی طرح غور و فکر نہ کر لوں اور دوسری احادیث سے جو میرے موقف کے حق میں ہیں ان سے ملا کر ان میں مجھے کوئی تطبیق نظر نہ آ جائے تو اس وقت تک میں اس مسئلہ پر گفتگو جاری رکھنا صحیح نہیں سمجھتا ۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ یہ اللہ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے ڈاکٹر صاحب کو یہ مزاج عطا فرمایا ہے کہ ان کے نزدیک اصل حقیقت اور اصل کام دین کی خدمت ، قرآن کی خدمت اور اللہ کے کلمہ کو سربلند کرنے کی جدوجہد ہے جس کے لئے ان کو ہر وقت اللہ کی توفیق و رہنمائی اور علماء حقانی کی تائید و توثیق

اور دُعاؤں کی شدید حاجت ہے - ان محاضراتِ قرآنی کے ذریعہ جو روشن نظیر و مثال قائم ہوئی ہے وہ ان شاء اللہ اقامتِ دین کی جدّوجہد میں سنگ میل ثابت ہوگی - اور ان شاء اللہ العزیز اسلام کی نشاۃ ثانیہ، اقامتِ دین، اعلاء کلمۃ اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تحریک کو اکابر علماء حقّانی کی تائید، ان کی پُرخلوص دُعائیں اور ان کے حلقوں کا تعاون و اشتراک حاصل ہوگا۔ اور پاکستان میں جس کے قیام کی واحد وجہ جواز اسلامی نظام کا قیام و نفاذ ہے، یہ تحریک پوری قوّت کے ساتھ پُرامن طریق پر اور علیٰ منہاج النبوۃ آگے بڑھے گی، پھلے پھولے گی اور برگ و بار لائے گی - وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ

اس موقع پر ان سطور کا عاجز راقم ایک بات بطور گلہ و شکوہ عرض کرنا چاہتا ہے - چند علماء کرام نے تو محترم ڈاکٹر صاحب کی دعوتِ شرکت پر کامل خاموشی اختیار کی نہ اثباتاً نہ نفیاً کوئی جواب دیا اس عاجز کی رائے میں یہ شانِ استغناء ان کے اعلیٰ مقام سے مناسبت نہیں رکھتی - البتہ چند حضرات کرام نے کسی نجی مصروفیت ———— کی وجہ سے شرکت سے معذوری فرمائی - ان بزرگوں کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش ہے - تین حضرات نے اس مفہوم پر مشتمل جواب عنایت فرمایا کہ "وہ ڈاکٹر صاحب سے اس قدر بیزار ہیں کہ ان کی دعوت پر غور کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں" - انہی میں سے ایک بزرگ نے جو ماشاء اللہ خود عالم دین اور ایک مشہور شہر کی ایک مشہور جامع مسجد کے خطیب ہیں اس قسم کی تحریر رقم فرمائی کہ "ہم تو مقلدِ محض ہیں ہمارے بزرگوں سے بات کرو ہم ان کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتے" اس میں جو تعریض و طنز ہے اس سے قطع نظر کرتے ہوئے ان سے اور ایسے تمام حضرات والا قدر سے عاجزانہ گذارش ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے ایک سوالی اور سائل بن کر ان حضرات کی خدمت میں مکتوب ارسال کیا تھا اور ان سے تنقید و ہدایت کی استدعا کی تھی - قرآن حکیم کی تعلیمات تو یہ ہیں کہ: وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْھَرْ ـــ اور ـــ وَاَمَّا مَنْ جَآءَکَ یَسْعٰی ۝ وَھُوَ یَخْشٰی ۝ فَاَنْتَ

عَنْہُ وَتَلَقّٰی ۔ لہٰذا ان حضرات گرامی کا یہ طرزِ عمل کسی طرح بھی ان جیسے صاحبان علم وفضل کے شایانِ شان نہیں ہے ۔ ان سے عاجزانہ التجا اور استدعا ہے کہ وہ اپنے موقف پر نظرِ ثانی فرمائیں ان شاء اللہ اس سے خیر ہی وجود میں آئے گا ۔ بِیدِ اللّٰہ الخیر وھو علیٰ کُلِّ شیءٍ قدیرٌ ۔

اس موقع پر ایک مزید ضروری بات بھی یہ عاجز عرض کرنا چاہتا ہے کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہٗ جو دعوت دے رہے ہیں ہماری بے بضاعتی اور کوتاہ قلمی سے بعض مخلصین کو مغالطہ لاحق ہو گیا ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف اس بات کے مدعی ہیں کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے، ان کی امارت کو تسلیم کر کے اور تنظیم اسلامی میں شامل ہو کر ہی تجدید و احیاءِ دین، دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا جا سکتا ہے ۔ ہرگز ہرگز نہ یہ دعویٰ ہے نہ دعوت ۔ ہم علیٰ وجہ البصیرت اس سے اعلان برأت کرتے ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب موصوف بھی اپنی متعدد تقاریر وتحاریر میں اس کی تردید اور اپنے اس موقف کی وضاحت کر چکے ہیں کہ جہاں تک انہوں نے قرآن حکیم، سنتِ رسول اور سیرت مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا معروضی مطالعہ کیا ہے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ تجدید و احیاءِ دین، اقامت و اظہارِ دین الحق، اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے لزوم جماعت ضروری ہے ۔ نیز تشکیلِ جماعت یا تنظیم کے لئے بیعت کا طریقہ انہوں نے اپنے فہم کے مطابق اقرب الی الکتاب والسنّہ اور اسلاف کے طریق کار کے مطابق سمجھ کر اختیار کیا ہے ۔ وہ اسے مسنون و ماثور سمجھتے ہیں ۔ اس پر ان کو شرح صدر حاصل ہے اس عاجز کی رائے میں کسی ہیئت اجتماعیہ کی تشکیل کا مسئلہ خالص اجتہادی ہے اگر چند اصحاب علم و فضل دستوری و آئینی اور جمہوری طرز کی جماعت و تنظیم کے تشکیل و قیام کو زمانے کے تقاضوں کے مطابق سمجھتے ہیں تو یہ بھی اجتہادی ہو گا ۔ اس کو کبھی بھی ڈاکٹر صاحب نے غلط، یا ناجائز قرار نہیں دیا ۔ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب بیعت کے طریقے کو مسنون قرار دیتے ہیں ۔ لہٰذا اس کے خلاف کوئی طریق کار لازماً غیر مسنون ہو گا ۔ اس عاجز کی رائے میں ایسا سمجھنا درست نہیں ہو گا ۔ ہمارے یہاں جو فقہی

مسالک ہیں تو ان میں سے بعض تعبدی امور ایسے ہیں کہ جن کو بعض ائمہ و محدثین رحمہم اللہ مسنون قرار دیتے ہیں اور بعض محض انہیں مباح یا مستحب کے درجے میں رکھتے ہیں اور بعض یہ رائے بھی نہیں رکھتے۔ اس کی متعدد مثالیں دی جا سکتی ہیں لیکن توقع ہے کہ یہ اجمال ہی اس عاجز کے منشا کی تفہیم کے لیے کفایت کرے گا۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ اس وقت پاکستان میں دین انتہائی غریب ہو چکا ہے۔ بقول مولانا حالی ؎

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

دین کے بارے میں تشکیک و ریب نے ہماری تعلیم یافتہ اکثریت کے اذہان پر پنجے گاڑھ رکھے ہیں۔ عوام الناس کی اکثریت دین سے غافل محض ہے اور اس نے مشرکانہ اوہام اور مبتدعانہ افعال ہی کو دین سمجھ رکھا ہے۔ تجدد اور اباحیت پسند طبقہ شعائر دین کا استہزا کرنے ان کو مسخ کرنے اور ان کا حلیہ بگاڑنے میں لگا ہوا ہے۔ منکرات کو خوب فروغ ہو رہا ہے۔ بے حجابی بڑھ رہی ہے۔ مرد و زن کے مخلوط طور طریقے رواج پا رہے ہیں اور انکو کہیں ثقافت کا نام دیا جا رہا ہے اور کہیں ان کو قومی ضرورت قرار دیا جا رہا ہے۔ کہیں سرکاری سطح پر حدود اللہ اور شریعت کا مثلہ کیا جا رہا ہے اس کی مثالیں اظہر من الشمس ہیں۔ ان حالات میں کیا دین کا حقیقی درد رکھنے والے دین کے بہی خواہ اور دین پسند عناصر اور محاسبہ اخروی کا خوف رکھنے والے افراد اور جماعتوں کا یہ دینی فریضہ نہیں ہے کہ وہ اپنی اپنی جماعتوں اور تنظیموں میں رہتے ہوئے اپنے اپنے طریق کار کے مطابق خدمتِ دین کے ساتھ ساتھ ایک ہمہ گیر احیائے دین کی تحریک برپا کرنے کے عظیم کام میں تعاون اور اشتراکِ عمل کی کوئی سبیل نکالیں اور اجتماعی طور پر اصلاح معاشرہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی انجام دہی کیلئے بنیانِ مرصوص بن جائیں۔ ایسی کوشش کرنے والے دردمند و حساس دلوں کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں بشارت دی گئی ہے: بدأ الاسلام غریبًا وسیعود کما بدأ غریبًا فطوبیٰ

للغیر بالخیر — اور قرآن حکیم میں امر کے صیغہ میں فرمایا گیا تعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی —

اہل علم وفضل کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی اہمیت کی طرف توجہ دلانا چھوٹا منہ اور بڑی بات ہوگی - یقیناً یہ حضرات والا قدر ان باتوں سے بخوبی واقف ہوں گے لیکن عامۃ المسلمین بالخصوص "میثاق" کے قارئین کی رہنمائی کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند مرفوع احادیث مبارکہ اور امیر المؤمنین حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے خلیفہ راشد کا ایک خطبہ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ امتی رسولؐ ہونے کی حیثیت سے امر بالمعروف خاص طور پر نہی عن المنکر کے فریضہ کا ہمارے دین میں جو مقام و مرتبہ ہے وہ ہمارے رسُولِ پاک خاتم النبیین وسید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات عالیہ اور افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد گرامی کے حوالوں سے ہمارے سامنے آجائے - پہلی حدیث ہے :

"عن ابن مسعودؓ قال قالَ رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما من نبی بعثہ اللّٰہُ فی اِمتہٖ قبلیُ اِلّاکان لہٗ فی امتہٖ حواریّونَ وَاصحابٌ یاخُذونَ بسُنّتہٖ وَیقتدُونَ بامرہٖ ثُمَّ انہا تخلفُ من بعدِھِمْ خلوفٌ یقولون ما لا یفعلون ویفعلون ما لا یُؤمَرُوْنَ فمن جاھَدَھم بیدہٖ فھُوَ مُؤمنٌ ومن جاھدھم بلسانہ فھو مُؤمِنٌ ومن جاھد ھم بقلبہٖ فھو مؤمن ولیس وراء ذالك من الایمانِ حبّۃُ خَرْدَلٍ" (رواہ مسلم)

"حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے پہلے جس نبی کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی امت میں مبعوث فرمایا تو اس کے اپنی اُمت میں ایسے حواری اور ساتھی ہوا کرتے تھے، جو اس کے طریقہ پر چلتے تھے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے تھے پھر ان حوارین کے بعد ایسے نالائق جانشین

آجاتے تھے کہ جو اپنی کہی ہوئی باتوں پر عمل نہیں کرتے تھے اور ایسے کام کیا کرتے تھے جن کے کرنے کا ان کو حکم نہیں ہوتا تھا۔ سو ایسے لوگوں سے جو ہاتھ سے جہاد کرے تو وہ مومن ہے اور جو ان سے زبان سے جہاد کرے تو وہ بھی مومن ہے اور جو ان سے دل سے جہاد کرے (دل میں ان کے افعال قبیحہ سے نفرت رکھے) تو وہ بھی مومن ہے اور اس کے ورے (اس آخری درجۂ ایمان کے بعد) ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔"

دوسری حدیث ہے:

"عن حذیفة ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال والذی نفسی بیدہ لتامرن بالمعروف ولتنهون عن المنکر او لیوشکن اللّٰہ ان یبعث علیکم عذابا من عندہ ثم لتدعنه ولا یستجاب لکم

(رواہ الترمذی)

"حضرت حذیفہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، تم ضرور بالضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کروگے۔ (تمہاری لازمی ذمہ داری ہے) ورنہ بہت قریب ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ اپنی طرف سے تم پر عذاب مسلط کردے۔ اور پھر (تم عذاب سے نجات حاصل کرنے کے لیے) اللّٰہ سے دعائیں مانگو اور تمہاری دعائیں قبول نہ کی جائیں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کا خطبہ ہے:

عن ابی بکر الصدیق قال یاایها الناس انکم تقرءون هذہ الایة، یاایها الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اهتدیتم۔ فانی سمعت رسول

اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم یقولُ اِنَّ النَّاسَ اذا رَاَوْا منکرًا فلم یغیّروہُ یُوْشِکُ اَن یَّعُمَّھُمُ اللہُ بِعِقَابِہٖ رواہ ابنُ ماجۃ والترمذی وصححہٗ - وفی روایۃ ابی داؤد اِذا رَاَوُا الظَّالِمَ فلَمْ یَاْخُذُوْا علیٰ یدیہِ اَوْشک اَنْ یَّعُمَّھُمُ اللہُ بعقاب - وفی اُخریٰ لہٗ ما من قومٍ یُعْمَلُ فِیْھِمْ بِالْمَعَاصِی ثُمَّ یَقْدِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْ یُّغَیِّرُوْا ثُمَّ لَا یُغَیِّرُوْنَ اِلَّا یُوْشِکُ اَنْ یَّعُمَّھُمُ اللہُ بِعِقَابٍ ٥

”حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے ارشاد فرمایا - اے لوگو! تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے پہلو تہی کرنے کے لئے بطور دلیل یہ آیت پڑھتے ہو اور اس کو اس کے عموم پر رکھتے ہو جو کہ صحیح نہیں ہے ”اے ایمان والو! تم پر اپنی جان کا فکر لازم ہے - جب تم راہ پر ہوتے تو جو گمراہ ہوا وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا“

”حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگ جب برائی دیکھیں اور اس کو نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالےٰ ان سب کو اپنے عذاب کی لپیٹ میں لے لے“ - (اس کو امام ابن ماجہؒ اور امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے - ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں ”لوگ جب ظالم کو دیکھیں اور اس کے ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں کو اپنے عذاب کی لپیٹ میں لے لے“ اور ابوداؤد کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں ”جس قوم میں بھی معاصی کا ارتکاب کیا جاتا ہو اور اس قوم کے بعض لوگ ان معاصی کو روکنے کی قدرت رکھتے ہوں اور پھر اس کے باوجود وہ معاصی کو نہ روکتے ہوں تو لامحالہ قریب ہی ہے کہ اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو اپنے عذاب کی لپیٹ میں لے لے“

اس ضمن میں قرآن مجید فرقان حمید کا یہ اٹل قانون اور ضابطہ بھی ہر درد مند اور حساس دل کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ : وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ "اور بچتے رہو اس فساد و فتنہ سے کہ نہیں پڑے گا تم میں سے خاص ظالموں ہی پر اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے"۔ اس آیت پر شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے یہ حاشیہ تحریر فرمایا : "یعنی فرض کیجئے کہ ایک قوم کے اکثر افراد نے ظلم و عصیان کا وطیرہ اختیار کیا کچھ لوگ جو اس سے علیحدہ رہے انہوں نے مداہنت برتی، نہ نصیحت کی نہ اظہار نفرت کیا تو یہ فتنہ ہے جس کی لپیٹ میں وہ ظالم اور یہ خاموش مداہن سب آجائیں گے۔ جب عذاب آئیگا تو حسب مراتب سب اس میں شامل ہوں گے کوئی نہیں بچے گا۔ اس تفسیر کے مطابق آیت سے مقصود یہ ہوگا کہ خدا اور رسول کی حکم برداری کے لئے خود تیار رہو اور نافرمانوں کو نصیحت و فہمائش کرو۔ نہ مانیں تو بیزاری کا اظہار کرو"۔ امر واقعہ یہ ہے کہ فتنہ و فساد ایک متعدی مرض ہے جس معاشرے میں یہ جڑ پکڑ لے اس میں اس کے اثرات اور اسکی لپیٹ سے انفرادی نیکوکار بھی نہیں بچ سکتے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ جماعتی طور پر اس فتنہ کو فرو کرنے کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینے کی جدوجہد کی جائے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

الحمدللہ تنظیم اسلامی کا دس سالہ اجتماع ۲۴ مارچ کو باقاعدہ شروع ہوکر ۲۸ مارچ کو ایک بجے دوپہر کو اختتام پذیر ہوا۔ اس اجتماع میں بعد نماز فجر روزانہ درس حدیث ہوا۔ محترم قیم تنظیم اسلامی (پاکستان) کی جانب سے کارگزاری کی سالانہ رپورٹ اور جناب محاسب صاحب کی طرف سے مرکزی بیت المال کی سالانہ رپورٹ پیش ہوئی۔ چند مقامی تنظیموں کے امراء نے اپنے اپنے علاقوں میں کام کی رفتار دعوت کی توسیع نیز موانعات کے متعلق رپورٹیں پیش کیں۔

چار یوم تک تنظیم اسلامی کے قیام وتأسیس کے ارتقائی منازل نیز امیر محترم کے چند خطابات کی تلخیص تنظیم اسلامی کی مطبوعہ روداد میں سے پیش کی گئی - چار روز تک ہمارے رفیق محترم ڈاکٹر تقی الدین احمد نے تنظیم کے رفقا کیلئے کتاب وسنت کے ضروری علم کے حصول کی کوشش اور تزکیہ نفس کی اہمیت وضرورت پر نہایت مفید ومؤثر خطابات ارشاد فرمائے - جن کا مفاد یہ تھا کہ ان چیزوں کے بغیر اعلائے کلمۃ اللہ کے عظیم کام کو لے کر اٹھنے والی جماعت وتنظیم کا حال ایسا ہوگا جیسے تلوار کے بغیر نیام یا کارتوس کے بغیر بندوق اور پستول کا ہوتا ہے — پانچ روز تک عموماً گیارہ بجے سے ایک بجے تک امیر محترم نے محاضرات میں اٹھائے ہوئے اشکالات واعتراضات پر تبصرہ فرمایا — تنظیم کے پیش نظر جو عظیم کام ہے قرآن وحدیث سے اسکی اہمیت کو مبرہن و واضح فرمایا — سوالات کے جوابات عنایت فرمائے۔ مزید برآں رفقاء کے دلوں میں اپنے مؤثر انداز سے اس کی اہمیت ایک ولولہ اور جذبۂ تازہ، ایک جوشِ نو، ایک والہانہ لگن کو مہمیز فرمایا — اجتماع کے آخری روز دو سال کے لئے کل پاکستان بنیاد پر مرکزی مجلس مشاورت کا بذریعہ بیلٹ انتخاب عمل میں آیا جس کے نتیجہ میں حسب ذیل حضرات منتخب ہوئے -

(۱) ڈاکٹر تقی الدین احمد صاحب (۲) میاں محمد نعیم صاحب (۳) قمر سعید قریشی صاحب (۴) چودھری غلام محمد صاحب (۵) رحمت اللہ بٹر صاحب (۶) عبدالرزاق صاحب (۷) ان سطور کا عاجز راقم -

مقامی تنظیمیں جن میں رفقاء کی تعداد چھبیس[۲۶] سے پچاس تک ہے ایک ایک رفیق کو منتخب کر کے مرکز کو اطلاع دیں گی - اس طرح مرکزی مجلس مشاورت کی تکمیل ہو جائے گی اور اس کی مدتِ تشکیل دو سال ہو گی -

اس اجتماع میں پاکستان میں مقیم رفقا میں سے ۳۲۹ رفقاء نے شرکت کی - ۴۲ حضرات بطور مبصر شریک ہوئے - ان مبصرین میں سے اجتماع کے بعد ۱۴ حضرات نے عہد رفاقت لے کر امیر محترم کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس طرح وہ تنظیم میں بحیثیت رفیق شامل ہو گئے : اللھم ثبت اقدامنا و اقدامھم علی دینك.

بیرونِ پاکستان سے بھی ہمارے بعض رفقاء شریک اجتماع ہوتے ہمارے ایک رفیق

اسکندریہ (مصر) سے صرف اس اجتماع اور محاضراتِ قرآنی میں شرکت کے لئے لاہور تشریف لائے اور دس روز تک یہاں مقیم رہے۔ ایک رفیق سعودی عرب سے ہفتہ عشرہ کے لئے اس طرح پروگرام بنا کر تشریف لائے کہ چار دن اجتماع اور محاضرات میں شریک ہو سکیں اور بقیہ چند دن وہ اپنے نجی کاموں میں صرف کر سکیں۔ حیدر آباد دکن (بھارت) سے بھی تین حضرات تشریف لائے جو امیرِ محترم سے بیعت ہیں ہماری ایک فنی کوتاہی کے باعث ان حضرات میں سے دو کو آٹھ روز تک پاکستان کا ویزا بروقت نہ ملنے کے سبب دہلی میں رکنا پڑا۔ یہ حضرات جناب قاری قطب الدین صاحب چشتی اور جناب قاری عبدالعلیم صاحب مدظلہٗ آخری دن لاہور پہنچے اور محاضرات کی آخری نشست میں اوّل الذکر نے اپنا مقالہ پیش کیا آخرالذکر جناب قاری عبدالعلیم صاحب نے تقریر فرمائی۔ قاری صاحب مدظلہٗ آل انڈیا مجلسِ قراءت کے اعزازی معتمدِ عمومی ہیں۔ موصوف نے ۲۹ر مارچ کو مسجد دارالسلام باغ جناح میں جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمایا اور صلوٰۃ جمعہ کی امامت فرمائی۔ مزید براں موصوف کے اعزاز میں لاہور کے مشہور آئی سرجن ڈاکٹر محمد یقین صاحب نے ۳۰ر مارچ کو فلیٹیز ہوٹل میں عشائیہ کا اہتمام فرمایا۔ ۵ر اپریل کو بھی مسجد دارالسلام میں قاری صاحب موصوف ہی نے خطبۂ جمعہ دیا اور صلوٰۃ جمعہ پڑھائی۔ اللہ تعالےٰ نے قاری صاحب کو عربی زبان و لہجہ پر بڑی قدرت عطا فرمائی ہے۔ ان کے خطباتِ جمعہ کا انداز یہ تھا کہ گویا کوئی شعلہ بیان عرب خطیب خطبہ دے رہا ہے جس کے سحر سے تمام شرکا مسحور ہو گئے ہیں۔ قاری صاحب مدظلہٗ اپنے مؤثر خطبات کی وجہ سے مسجد دارالسلام کے مستقل نمازیوں کے دلوں پر اپنی شخصیت کے گہرے نقوش ثبت فرما گئے ہیں۔ ان کی متواضع اور دل آویز شخصیت نے قرآن اکیڈمی کے تمام کارکنان کے دل موہ لئے تھے۔ اللہ تعالےٰ ان کو صحت کے ساتھ تادیر سلامت رکھے اور ان سے اپنے دین کی مزید خدمت لے اور ہم کو ان کی صحبت سے فیض یاب ہونے کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کرے۔

امیرِ محترم کا پختہ ارادہ ہے کہ ان شاء اللہ العزیز موصوف گذشتہ سال کی طرح

امسال بھی رمضان المبارک میں تراویح میں پڑھے جانے والے قرآن مجید کے حصہ کا ہر شب کو تدریجہ میں ترجمہ اور اہم مقامات کی مختصر تشریح بیان فرمائیں گے۔ سال گذشتہ جامع القرآن میں جگہ کی تنگی شدت سے محسوس ہوئی تھی۔ بفضلہ تعالیٰ جامع القرآن کے ہال کے اوپر چھت پڑ گئی ہے اور دوسرے ہال کی تعمیر کا کام مکمل ہو گیا ہے۔ اس طرح امسال گذشتہ سال کے مقابلے میں دوگنا افراد شریک ہو سکیں گے۔ اس دورۂ ترجمہ قرآن حکیم میں شرکت کے لئے جو حضرات باہر سے تشریف لانے کے خواہشمند ہوں۔ ان سے التماس ہے کہ وہ اس امر کی اطلاع ۱۵ رمئی تک جناب بھائی قمر سعید قریشی صاحب ناظم اعلیٰ مرکزی انجمن کو ارسال فرما دیں۔

بحمداللہ کراچی اور لاہور میں 'شام الہدیٰ' کے پروگرام جاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پروگراموں کو اتنا قبول عام عطا فرمایا ہے کہ دونوں مقامات پر جگہ کی قلت اور تنگی منتظمین کے لئے مسئلہ بن گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کے فضل سے توقع ہے کہ وہ کوئی ایسی صورت حال پیدا فرمائے گا جس سے اس مشکل کا کوئی بہتر حل نکل سکے۔ ماہ مئی میں انشاء اللہ ۱۹ر تاریخ کو بروز اتوار 'شام الہدیٰ' کی آئندہ نشست کا انعقاد حسب سابق تاج محل ہوٹل میں بعد نماز مغرب ہوگا۔ اس میں امیر محترم کا استقبال رمضان المبارک اور 'عظمت صوم' کے موضوع پر خطاب کرنے کا ارادہ ہے۔ لاہور میں اگر کوئی وقتی دشواری مانع نہ ہوئی تو اگلی نشست اللہ نے چاہا تو ۳۰ رمئی کو واپڈا آڈیٹوریم میں بعد نماز مغرب منعقد ہوگی۔ لاہور اور کراچی کے قارئین میثاق سے درخواست ہے کہ وہ متذکرہ بالا تاریخیں نوٹ فرمالیں

بحمداللہ امیر محترم کی صحت بہتر ہے۔ لاہور اور بیرون لاہور دعوتی دوروں کا سلسلہ جاری ہے۔ اہم مضامین کی کثرت و طوالت کے باعث 'رفتار کار' کے عنوان کے تحت ان دعوتی دوروں کے کوائف کے لئے صفحات دستیاب نہیں ہوتے۔ اس لئے فروری ۸۵ء سے اس کی اشاعت کا سلسلہ منقطع ہے لیکن بفضلہ تعالیٰ سبحانہٗ اسلام آباد کے کمیونٹی سنٹر میں انگریزی ماہ کی ہر پہلی پیر کو درس و خطاب کا

بقیہ صـ۹۸ پر

جماعت اسلامی

ملک کی منظم ترین جماعت ہونے کے باوجود
انتخابات میں ہمیشہ بُری طرح ناکام کیوں رہتی ہے؟

اس لئے کہ

اُس نے اپنا اصل طریق کار ترک کر دیا
اور نیا طریق کار اُس کے اصل مقصد سے مطابقت نہیں رکھتا گویا ؎

نوبت اس کو اس آئی اور دلن بھی چھوٹ گیا

جماعت کا اصل مقصد اور اصل طریق کار
سمجھنے کے لئے مطالعہ فرمائیے

تحریکِ جماعتِ اسلامی
ایک تحقیقی مطالعہ

از قلم:
ڈاکٹر اسرار احمد

بڑے سائز کے ۲۳۶ صفحات : آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت
قیمت اعلیٰ مجلد -/۲۰ ، ادنیٰ پیپر بیک -/۱۰ ، محصول ڈاک علاوہ

◊ مکتبہ تنظیمِ اسلامی، ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴
◊ ۱۱ - داؤد منزل، شاہراہ لیاقت - کراچی ۱

تذکرہ و تبصرہ

ڈاکٹر اسرار احمد کا خطابِ جمعہ

مسجد دار السلام لاہور، ۲۹ مارچ ۸۵ء

- پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم و مغفور کی یاد میں جلسہ
- سالانہ محاضراتِ قرآنی کی شاندار کامیابی پر اللہ کا شکر
- نصرتِ خداوندی کے حصول کا یقینی طریقہ: نصرتِ خدا و رسولؐ

یعنی غلبہ و اقامتِ دین کی جدّوجہد

مولانا سیّد مظفر حسین ندوی (مظفر آباد) کی تقریر کے حوالے سے!

مرتبہ: شیخ جمیل الرحمٰن

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصًا علیٰ افضلہم خاتم النبیین محمد ن الامین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد
فقد قال اللہ تبارک وتعالیٰ فی سورۃ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔
فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ (آیت ۷)

وقال تبارک وتعالیٰ فی سورۃ آل عمران

(۲) اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ بَعْدِہٖ (آیت ۱۶۰)

(۳) وقال عزّ وجلّ فی سورۃ الاعراف
فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (آیت ۱۵۷)

(۴) وقال جلّ وعلا فی سورۃ التوبہ
اِلَّا تَنْصُرُوْہُ فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ (آیت ۴۰)

(۵) وقال عزّ اسمہٗ فی سورۃ الحدید
لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ وَرُسُلَہٗ بِالْغَیْبِ ط اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (آیت ۲۵)

(۶) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ کَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ط قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ وَکَفَرَتْ طَّآئِفَۃٌ ج فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّھِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰھِرِیْنَ (آیت ۱۴) صدق اللہ العظیم !!!

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ ـــــ

حضرات! آپ میں سے اکثر کو اس کا اندازہ ہے کہ ۲۲ر مارچ سے کل ۲۸ر مارچ تک پورا ہفتہ میرا اور میرے ساتھی یعنی تنظیم اسلامی کے رفقاء اور مرکزی انجمن خدام القرآن کے جو فعّال وابستگان ہیں' ان کا وقت شدید مصروفیت اور مشقت میں گزرا ہے۔ ۲۲ر مارچ کے جمعہ کی تقریر، خطبہ اور نماز ہوئی پھر اسی شام کو مغرب کے بعد ہم نے پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم ومغفور کی یاد میں ایک جلسہ منعقد کیا۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ وہ جلسہ بہت کامیاب رہا۔ جلسہ کے صدر جناب چیف جسٹس (ریٹائرڈ) شیخ انوار الحق صاحب تھے۔ موصوف اپنی ایک دوسری مصروفیت کی وجہ سے دورانِ جلسہ اجازت لے کر چلے گئے تھے۔ بعدہٗ جلسہ جناب علّامہ شبیر احمد بخاری سابق وائس چانسلر جامعہ اسلامیہ بہاولپور کی صدارت میں جاری رہا۔ مقررین نے بڑے ذوق وشوق کے ساتھ شرکت کی اور سامعین نے بھی ہمیں مایوس نہیں کیا۔ بلکہ واقعتاً ہماری توقع سے کہیں بڑھ کر اس اجلاس میں شرکاء کی تعداد تھی ــــ پھر ہفتہ کی صبح کو ہماری مرکزی انجمن خدام القرآن کا ایک فنکشن تھا۔ وہ بھی صبح نو بجے سے شروع ہو کر ایک بجے دوپہر کو ختم ہوا۔ پھر اسی شام سے محاضراتِ قرآنی کا قرآن اکیڈمی میں سلسلہ شروع ہو گیا جو جمعرات ۲۸ر مارچ کی شب تک چلتا رہا اور ہر اجلاس عموماً رات کو ۱۰ بجے تک جاری رہتا تھا۔ پھر اتوار کی صبح سے تنظیم اسلامی کے دس سالہ اجتماع کا آغاز ہوا جو کل ۲۸ تاریخ کو ظہر کے وقت اختتام پذیر ہوا۔ اس طرح روزانہ صبح آٹھ بجے سے لے کر ایک بجے تک اور شام کو عصر سے لے کر رات کو دس بجے تک ہماری شدید ترین مصروفیت رہی ہے۔

محاضراتِ قرآنی کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہوا ہے اور میرے پاس الفاظ نہیں ہیں جن کے ذریعہ میں اللہ سبحانہٗ کا شکر ادا کر سکوں۔ ان محاضرات کو جو گوناگوں کامیابی حاصل ہوئی ہے وہ ہماری ہر توقع سے بڑھ کر ہے۔ ہم نے قریباً اسّی اہل علم وفضل حضرات کو ان محاضرات میں شرکت کی دعوت دی تھی کہ وہ ان محاضرات کے موضوع "**قرآن کا تصوّرِ فرائضِ دینی**" پر اظہارِ خیال فرمائیں [1] ــــ میں نے قرآنِ حکیم، سنّت وسیرتِ محمد علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کے معروضی مطالعہ سے فرائضِ دینی کا جو جامع تصوّر اخذ کیا ہے جس کے پیشِ نظر عملی جدوجہد کے لئے میں قریباً بیس سال سے ہمہ تن لگا ہوا ہوں' اس کا خلاصہ بھی ان حضرات کی خدمت میں ارسال کر دیا تھا اور ان سے استدعا کی تھی کہ علمائے کرام اور اصحابِ دانش تشریف لائیں اور رہنمائی فرمائیں کہ اس تصوّرِ دینی میں کیا صواب ہے اور کیا خطا یا تقصیر ہے!

---

[1] علمائے کرام اور اصحابِ دانش کو محترم ڈاکٹر صاحب کی جانب سے جو مکتوب اور موصوف کا اخذ کردہ تصوّرِ دینی کا خلاصہ ارسال کیا گیا تھا وہ 'میثاق' کے مارچ ۸۵ء کے شمارے میں شائع کیا جا چکا ہے۔ (مرتّب)

ان مدعوین میں سے پچیس تیس کے مابین حضرات تشریف لائے۔ ان میں ہمارے ملک کے چوٹی کے علماء بھی شامل ہیں ۔ حضرت مولانا سیّد عنایت اللہ شاہ بخاری مدظلہٗ گجرات والے جو ایک خاص مکتبۂ فکر اور مسلک کے چوٹی کے علماء میں سے ہیں[1] حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی[2] شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور نہ صرف یہ کہ ملک گیر شہرت کے حامل ہیں بلکہ وہ ضیاء صاحب کی نامزد کردہ مجلسِ شوریٰ کے بھی رکن رہے ہیں اور اس اعتبار سے بھی نمایاں ہوئے ہیں۔ مولانا مفتی سیاح الدین صاحب کاکاخیل مدظلہٗ جو اسلامی نظریاتی کونسل کے قریباً مستقل رکن رہے ہیں اور بہت معروف شخصیت ہیں۔ ان کا زیادہ تر اتفاق، تعاون اور اشتراکِ عمل جماعتِ اسلامی کے ساتھ رہا ہے[3]۔ مولانا مفتی محمد حسین نعیمی مدظلہٗ بریلوی مکتبِ فکر کی ایک نمایاں شخصیت ہیں[4] وہ بھی مجلس شوریٰ کے کافی عرصہ رکن رہے ہیں۔ ویسے تو موصوف ملک کی سطح پر معروف ہیں لیکن لاہور کی تو بہرحال وہ ایک نمایاں شخصیت ہیں۔ مولانا عبدالغفار حسن صاحب مدظلہٗ اصلاً اہلِ حدیث مسلک سے تعلق رکھنے والی ایک معروف شخصیت ہیں۔ انہوں نے جماعتِ اسلامی میں ایک طویل عرصہ گزارا ہے اور ۵۳ء کی اینٹی قادیانی تحریک کے سلسلہ میں جب مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور اسیر رہے تھے تو کچھ عرصہ مولانا موصوف جماعتِ اسلامی کے امیر بھی رہے ہیں۔ پھر وہ اسی زمانہ یعنی ۵۷ء میں علیحدہ ہوئے تھے جس زمانہ میں چند دوسرے حضرات اور میں خود علیحدہ ہوا تھا۔ پھر مولانا نے طویل عرصہ تک تدریسِ حدیث کی ذمہ داری جامعہ اسلامیہ مدینہ منوّرہ میں ادا کی ہے۔ مزید یہ کہ وہ بھی اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن رہے ہیں اور شوریٰ کے بھی[5]۔ پھر مولانا عبدالقادر صاحب روپڑی[6] مدظلہٗ اہلِ حدیث

---

[1] شاہ صاحب قبلہ نے پورے خاکہ تصویب و توثیق فرمائی۔ (مرتّب)

[2] مولانا موصوف مدظلہٗ نے جماعت سازی میں اندیشوں کا اظہار فرمایا۔ (مرتّب)

[3] مفتی صاحب قبلہ نے بیعت کے مسئلہ کے سوا پورے خاکہ سے اتفاق فرمایا۔ بیعت کے مسئلہ پر گفتگو کسی آئندہ موقع کے لئے ملتوی فرمادی۔ (مرتّب)

[4] مفتی صاحب موصوف نے قرآن کے تصور فرائض دینی کے جزو اوّل و دوم سے اور جماعت کے التزام سے کامل اتفاق فرمایا لیکن بیعت اور جہاد بالسیف کو چند اہم شرائط سے مشروط قرار دیا۔ (مرتّب)

[5] مولانا موصوف مدظلہٗ نے ہر نوع کی دینی جماعت بنانے سے بھرپور اختلاف کیا (مرتّب)

[6] مولانا موصوف مدظلہٗ نے بھی مفتی سیاح الدین کاکاخیل مدظلہٗ کے مطابق موقف اختیار کیا۔ (مرتّب)

علماء میں چوٹی کی شخصیتوں میں سے ہیں ——— یہ سب شریک ہوئے ۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ شرکت کرنے والے جن حضرات کے نام میں نے آپ کو بتائے ہیں یہ اپنے اپنے حلقوں کی چوٹی کی شخصیتیں ہیں لیکن یہ ضرور کہتا ہوں کہ یہ حضرات کرام اپنے اپنے حلقہ کی چوٹی کی شخصیتوں میں سے ضرور ہیں۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ ان کے علاوہ بھی اپنے اپنے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے پاکستان کے بہت سے علماء نے شرکت فرمائی ۔

ہندوستان سے مولانا وحید الدین خاں صاحب[1] مدظلہٗ دہلی سے تشریف لائے ۔ بہت معروف شخصیت ہیں ۔ آپ نے شاید نام سنا ہو۔ ان کو سیرت پہ لکھی ہوئی ایک کتاب پہ پچھلے سال سے ایک بڑا انعام ملا تھا ۔ ہمارے صدر ضیاء الحق ہر سال سیرت پہ جو فنکشن منعقد کرتے ہیں، اس میں کتابوں پہ انعام ملتے ہیں تو یہ عالمی سطح پہ مقابلہ ہوتا ہے ۔ اس میں انہیں انعام ملا تھا۔ طویل عرصہ سے ان کی زیرِ ادارت دہلی سے ماہنامہ ' الرسالہ ' نکلتا ہے جو دینی اور علمی حلقوں میں بہت معروف ہے ——— حیدر آباد دکن سے دو علمی شخصیتیں تشریف لائیں ۔ ان میں سے ایک صاحب تو آل انڈیا سطح پہ ایک منصب کے حامل ہیں۔ قرّاء حضرات کی ایک آل انڈیا تنظیم ہے ۔ اس کے وہ اعزازی معتمد اعلیٰ (سیکرٹری جنرل) ہیں۔ وہ ہیں حضرت مولانا قاری عبدالعلیم صاحب مدظلہٗ ۔ وہ اس جمعہ میں بھی تشریف لائے ہوئے ہیں ۔ میں اپنی تقریر کے بعد ان سے مختصر خطاب نیز خطبۂ جمعہ ارشاد فرمانے اور صلوٰۃ جمعہ کی امامت کرنے کی درخواست کروں گا۔ دوسرے صاحب مولانا قاری قطب الدین علی چشتی مدظلہٗ ہیں جو حیدر آباد دکن کی ایک معروف علمی و دینی شخصیت ہیں۔ یہ دونوں حضرات کل ہی لاہور پہونچے ہیں[2]۔ حیدر آباد دکن سے تو یہ تقریباً پونے دو ہزار میل کا سفر طے کرکے ۱۹ مارچ ہی کو دہلی پہنچ گئے تھے لیکن پاکستان کا ویزا ملنے میں ان حضرات کو بڑی دشواریوں، دقتوں اور پریشانیوں سے سابقہ پیش آیا۔ بہرحال یہ حضرات کل ۲۸ مارچ کو لاہور پہنچ گئے اور کل ان حضرات نے محاضرات کو اپنے قیمتی خیالات سے مستفید فرمایا ۔

ان محاضرات میں جن پچیس تیس علماء اور اہل علم و فضل حضرات نے اظہارِ خیال فرمایا ان میں سے چند حضرات کے نام میں نے پیش کئے ہیں۔ میرے لئے بڑا مشکل مسئلہ ہے کہ ان میں سے اور دوسرے

---

[1] مولانا موصوف مدظلہٗ نے مولانا عبدالغفار حسن کے موقف کی تائید کی ۔ (مرتّب)

[2] ان دونوں حضرات نے بھی ڈاکٹر صاحب کے موقف کی مکمل تائید فرمائی ۔ (مرتّب)

حضرات میں سے کس کو صفِ اوّل کی شخصیتیں کہا جائے اور کن کو صفِ دوم کی شخصیتیں قرار دیا جائے۔ بہرحال میں اپنی معلومات اور ان حضرات کی اکثریت کو معروف ہونے کے اعتبار سے صفِ اوّل کی شخصیات قرار دے رہا ہوں ـــــ ان حضرات کی تشریف آوری اور اشتراک و تعاون کے اعتبار سے میرے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے۔ برصغیر پاک و ہند کا کوئی نمایاں مکتبِ فکر ایسا نہیں ہے جس کے چوٹی کے علماء میں سے کوئی نہ کوئی شریک نہ ہوا ہو۔ پھر یہ کہ ان محاضرات میں جو سنجیدہ و باوقار فضا برقرار رہی وہ نہایت ہی خوش آئند، لائقِ تحسین اور قابلِ داد ہے۔ بعض مقررین نے بعض اعتبارات سے میری چند آراء سے کھل کر شدید اختلاف کیا ان پر شدید تنقیدیں کیں۔ اب میری انجمن اور میری تنظیم کا جلسہ ہے۔ میری ہی صدارت میں محاضرات کی تمام نشستیں منعقد ہو رہی ہیں۔ شرکاء کی عظیم ترین اکثریت بھی میرے فکر سے اتفاق رکھنے والے اور میرے کاموں میں دامے درمے سخنے تعاون کرنے والوں پر مشتمل رہی ہے۔ لیکن سب نے ان اختلافات اور تنقیدوں کو بڑے صبر، سکون اور تحمّل سے سنا ـــــ اسی لئے تو میں نے ان محاضرات کا موضوع " قرآن کا تصوّر فرائضِ دینی " رکھا تھا تاکہ دوسرے اہلِ علم و فضل کے تائیدی اور اختلافی آراء اور ان کے دلائل ہم سب کے سامنے آجائیں اور اگر واقعی ہم پر ہماری کوئی غلطی واضح ہو جائے تو اس کی اصلاح کی جا سکے۔ مجھے خوب معلوم تھا کہ بعض حضرات کی طرف سے اختلافی آراء آئیں گی اور تنقیدیں ہوں گی۔ اس موقع پر یہ انتقالِ ذہنی ہے کہ مجھے فوراً یاد آیا کہ قرآن مجید میں سورۂ ہود کی آیت ۱۱۸ کے آخر میں فرمایا: وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ۝ اور اگلی آیت کے درمیان میں فرمایا: وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ لوگ اختلاف تو کرتے ہی رہیں گے ـــــ اور اسی لئے تو اللہ نے ان کو پیدا فرمایا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا اس حکمت پر تخلیق فرمائی ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ شکلوں کا اختلاف ہے۔ رنگوں کا اختلاف ہے۔ زبانوں کا اختلاف ہے۔ مزاج کا اختلاف ہے، اندازِ فکر کا اختلاف ہے۔ آراء کا اختلاف ہے۔ تعبیر و استنباط کا اختلاف ہے۔ ؏ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔ والا معاملہ ہے۔ صحابہ کرام میں بھی اختلاف تھا۔ کسی کا مزاج کچھ ہے، کسی کا دوسرا مزاج ہے۔ کوئی بالکل درویش منش ہے، کوئی کاروباری صلاحیت بہت رکھتا ہے۔ کوئی مردِ میدان بہت زیادہ ہے، بڑا شجاع، دلیر اور بہادر ہے۔ کوئی اعلیٰ پائے کا خطیب ہے۔ کسی کو ہم کہتے ہیں کہ وہ فقہائے صحابہؓ میں سے ہیں۔ ان کو دین و شریعت کا خصوصی فہم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ وہ قانون و قضا میں دور رس نگاہ رکھتے ہیں۔ کسی کو قراءتِ قرآنِ مجید سے بہت زیادہ شغف ہے۔

کسی پہ زہد کا انتہائی غلبہ ہے ــــــــــــ ۔ کوئی تدبر، فراست میں یکتائے زمانہ ہے، انتظامی صلاحیتیں ان میں بے انتہا ہیں۔ تو ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است کا معاملہ تھا۔ وَلِـذٰلِكَ خَلَقَهُمْ۔ اللہ نے بنایا ہی ایسا ہے۔ یہ گوناگونی، یہ بوقلمونی، یہ رنگا رنگی نہ ہو تو یہاں تو بڑی یکسانیت پیدا ہو جائے جس سے طبیعت اکتا جائے ــ پھر یہ کہ اختلاف رائے سے اصلاح کی راہیں کھلتی ہیں۔ اخلاص و خلوص موجود ہو، ہٹ دھرمی اور ضد و انانیت نہ ہو تو اختلاف رحمت ثابت ہوتا ہے۔ معاملہ وہی ہے جو اس مصرعے میں سامنے آتا ہے ؎

اے ذوق اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے

تو حقیقت یہ ہے کہ میں نے محاضرات میں یہ موضوع رکھا ہی اس لئے تھا کہ ہمارے اہل علم و فضل کی آراء سامنے آ جائیں تاکہ ان کی روشنی میں ہم اپنے فکر، اپنی دعوت، اپنے کام اور اپنی جدوجہد کے ہدف پہ غور و فکر کر سکیں اور جو صحیح بات بھی دلائل کے ساتھ سامنے آئے اسے قبول کر کے اصلاح کر سکیں۔ لہٰذا اختلافات سامنے آئے اور کھل کر سامنے آئے لیکن قابلِ شکر بات یہ ہے کہ کوئی تلخی نہیں۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے تاکیداً یہ کہہ دیا تھا کہ بالکل سامع بن کر بیٹھیں اور اختلافات و تنقیدات کو کھلے کانوں اور کھلے دماغوں سے سنیں۔ البتہ استفہام کے لئے کوئی سوال کرنا ہو تو اسے تحریری طور پہ کر لیں۔ کوئی جرح، کوئی تنقید اور ان کو اپنی بات پڑھانے کی کوشش، اپنی بات منوانے کی سعی، ان باتوں سے میں نے سختی سے اپنے ساتھیوں کو منع کر دیا تھا۔ سامعین میں صرف ہماری انجمن اور تنظیم کے رفقاء ہی نہیں تھے۔ دوسرے حضرات بھی تھے۔ بہرحال کسی نے اس نوع کے سوالات بھیجے بھی تو میں نے ان کو رد کیا۔ استفہامی نوعیت کے سوالوں میں سے بھی وقت کی کمی کی وجہ سے چند ہی سوالات متعلقہ مقرر کی خدمت میں پیش کیے گئے۔

جو اہل علم و فضل حضرات ان محاضرات میں تشریف لائے ان میں سے متعدد حضرات نے علی رؤس الاشہاد اس بات کا اعتراف کیا کہ برصغیر پاک و ہند کی جہاں تک معلوم تاریخ ہے۔ اس میں یہ پہلا موقع ہے کہ اس نوع کی ایک مجلس ترتیب دی گئی اور اہل علم و فضل کو دعوت دی گئی کہ آئیے مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہماری غلطیاں بتائیے۔ ہم سمجھنا چاہتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہم پہ دین کے جو فرائض اور تقاضے عاید ہوتے ہیں ہم ان کو جاننا چاہتے ہیں۔ اور ان کو ادا کرنے کے لئے کمربستہ ہوئے ہیں۔ ہمیں کوئی شوقِ مجلس آرائی اور انجمن آرائی اور کوئی شوقِ سیاست و قیادت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے ہمیں اپنی حفظ و امان میں رکھے

اوران سے بچائے ــــ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ نہایت خوشگوار ماحول میں یہ چھ دن کے مسلسل محاضرات ہوئے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی کسی طور پر بھی مناظرے کی کیفیت پیدا نہیں ہوئی ــــ میں نے تو پہلے ہی طے کر کے اعلان کر دیا تھا کہ میں اس گفتگو میں محض سامع بنا رہوں گا اور کسی اختلاف اور کسی رائے پر بھی اظہارِ خیال نہیں کروں گا۔ استفہامی سوال کے لئے میں نے اپنا حق رکھا تھا لیکن میں نے اس کو بھی استعمال نہیں کیا۔ البتہ صرف دو ضمنی مختصر سوالات کئے۔ اس سے زیادہ میں نے اس گفتگو میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

البتہ بعض علماء کے متعلق پوری مجلس نے یہ محسوس کیا کہ وہ تیاری کر کے نہیں آئے تھے۔ ــــــــــــــــــــ انہوں نے ایسے نکات پر جن پر کسی کو سرے سے اختلاف ہو ہی نہیں سکتا ایک وعظ کہدیا۔ اپنی جگہ درحقیقت وہ مواعظ بھی نہایت قیمتی تھے لیکن جس مقصد کے لئے یہ محاضرات منعقد کئے گئے تھے اس کے اعتبار سے وہ غیر متعلق تھے اور جو اصل نکتہ تھا جس میں اختلافِ رائے کی گنجائش تھی اور جس کے متعلق رہنمائی مطلوب تھی یعنی لزومِ اجتماعیت اس کے تقاضے، ان کی انجام دہی کے لئے بیعتِ ہجرت وجہاد فی سبیل اللہ وسمع وطاعت فی المعروف پر مبنی خالص دینی جماعت کا قیام' ــــ تو اس پر اظہارِ خیال سرے سے کیا ہی نہیں گیا۔ نہ ان کی تصویب وتوثیق کے متعلق کچھ فرمایا گیا اور نہ ہی اس سے اختلاف کرتے ہوئے کتاب وسنت سے دلائل پیش کئے گئے۔ بایں ہمہ ان مواعظِ حسنہ کو بھی جملہ شرکاء نے صبر وسکون سے سنا۔ میرے لئے یہ بات نہایت ہی اطمینان بخش ہے اور حقیقت یہ ہے کہ میں اس پر کتنا ہی اللہ کا شکر کروں شکر کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ بس اسی پر اکتفا کرتا ہوں فللّٰہ الحمد والمنۃ

میری اپنی سوچ اور اپنے فکر کے اعتبار سے ان محاضرات کی اہم ترین بات یہ ہے کہ میں نے محسوس نہیں کیا کہ کسی صاحب کی طرف سے کوئی بڑی بنیادی اختلافی بات محکم دلائل کے ساتھ آئی ہو ــــ اختلاف کی نوعیت عموماً یہ رہی ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک جماعت یا تنظیم کے قیام سے بہت سے اندیشے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے۔ بعض ضروری احتیاطیں ہونی چاہئیں وغیرہ وغیرہ۔ بعض حضرات نے میری بعض ان تعبیرات سے شدید اختلاف کیا جن کے متعلق میں گذشتہ جمعہ کی اپنی تقریر میں پیشگی اعتراف کر چکا تھا کہ روا روی میں کچھ الفاظ ایسے استعمال ہو گئے ہیں کہ جن سے بعض حضرات کو مغالطہ ہوا ہے۔ مثلاً میں نے اس خط میں جو اہلِ علم وفضل کی خدمت میں بھیجا گیا تھا۔ یہ لکھا تھا کہ

"آخر میں جناب سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ وہ اپنی گوناگوں مصروفیات اور تمام تر مشاغل کے باوجود اس کام کے لئے ضرور وقت نکالیں۔ اس لئے کہ کسی دینی خدمت و تحریک کی بروقت رہنمائی، خصوصاً جبکہ اس کا محرک اور داعی خود اس کے لئے مستدعی ہو ایک اہم دینی فریضہ ہے! ـــ بصورت دیگر میں اپنے آپ کو یہ کہنے میں حق بجانب سمجھتا ہوں کہ میری جانب سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ پر ایک حجت قائم ہو جائے گی کہ میں نے تو رہنمائی چاہی تھی جناب ہی نے توجہ نہیں فرمائی۔"

میرے خط کی اس عبارت کے حصے میں جو الفاظ آئے ہیں کہ "آپ پر ایک حجت قائم ہو جائیگی" انکا مفہوم یہ سمجھا گیا کہ میں اس طرح ان پر اپنی بیعت کرکے تنظیم اسلامی میں شامل ہونے کی دعوت دے کر "حجت" قائم کر رہا ہوں۔ حاشا وکلا میرا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا۔ میں اسے اپنی کوتاہ قلمی اور اپنی تقصیر سمجھتا ہوں کہ ان الفاظ سے بعض حضرات نے یہ مفہوم اخذ کیا ـــ میرا اس عبارت سے مقصود یہ تھا کہ مجھے یہ اندازہ تھا کہ علماء کرام آسانی سے میری دعوت قبول نہیں کریں گے تو میں نے ایک انتباہ کے طور پر لکھا تھا کہ وہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور تشریف لائیں۔ اس مفہوم و معنی میں میں نے لفظ حجت استعمال کیا تھا کہ دیکھئے کہ میں نے تو آپ سے ہدایت و رہنمائی چاہی ہے۔ آپنے نہیں دی تو اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ جوابدہ ہوں گے۔ ایک تو وہ ہے جسے آپ ہدایت دینا چاہتے ہیں لیکن وہ سرتابی کرتا ہے ـــ اب دیکھئے وہی انتقالِ ذہنی والا معاملہ ہے میرا ذہن سورۂ عبس کی ان آیات کی طرف منتقل ہوا: وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ جو شخص چاہتا ہے کہ مجھے بتاؤ۔ میری جو غلطی ہے اس کی نشاندہی کرو ـــ اب اس کے باوجود کوئی استغناء کا انداز اختیار کرتا ہے تو اس کے لئے جواب اور عذر پیش کرنے میں مشکل پیش آسکتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی شرعی عذر کی بنا پر لاہور کا سفر کرنا یا تشریف لانا ممکن نہ ہو۔ توقع ہے کہ جن حضرات کو عبارت کے اس حصہ سے مغالطہ لاحق ہوا ہے ان کی غلط فہمی ان شاء اللہ اس وضاحت سے رفع ہو جائے گی۔ چند دوسری تعبیرات کی میں وضاحت آگے کروں گا ـــ تین حضرات کے مجھے خطوط آئے ہیں کہ ہم تو تم سے اتنے بیزار ہیں کہ آنے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں۔ ٹھیک ہے ایک مزاج ہے، افتاد ہے۔ باقی بعض اکابر علماء جو تشریف نہیں لا سکے۔ ان کے نہایت عمدہ اور حوصلہ افزا خطوط آئے ہیں۔ ان میں جن جذبات کا اظہار کیا گیا

وہ میرے لئے سرمایۂ زیست رہیں گے۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدظلہٗ جو اس وقت برصغیر کے چوٹی کے علماء میں سے ہیں۔ میں بلاخوف تردید اپنے تجربہ اور علم کے اعتبار سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ مولانا موصوف اپنی عمر، اپنے وسیع تجربے اور اپنے علم و فضل کی بنیاد پر واقعتاً اس دور میں چوٹی کے عالم ہیں۔ وہ شخص جو کلکتہ کی قدیم اور معیاری درس گاہ مدرسہ عالیہ کا طویل عرصہ تک پرنسپل رہا ہو۔ وہ شخص جو علی گڑھ یونیورسٹی کا طویل عرصہ تک شعبۂ دینیات کا صدر رہا ہو۔ وہ شخص جو بے شمار نہایت اعلیٰ اور تحقیقی کتابوں کا مصنّف ہے۔ میں نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں ان کی بعض کتابیں پڑھی تھیں جن میں "حقیقت وحی" سے میں نے بہت استفادہ کیا تھا۔ آج تک میری لائبریری میں شاید وہ نسخہ موجود ہو جس کے بعض ابواب کو میں نے انڈر لائن کر کے پڑھا تھا جس طرح میں میڈیکل کی کتابیں پڑھا کرتا تھا۔ میری یہ عادت تھی کہ ضروری حصوں کو سرخ نیلی اور دوسری رنگوں کی پنسلوں سے انڈر لائن کیا کرتا تھا تاکہ حسب ضرورت ان میں ربط قائم کر سکوں اور جب کبھی موقع آئے تو صرف ایک نگاہ دوڑا کر رنگوں کے اختلاف سے مضمون کے نکات کو باہم جوڑ کر نتیجہ نکال سکوں ــــ اسی انداز سے میں نے مولانا موصوف کی کتاب "حقیقتِ وحی" کا مطالعہ کیا تھا۔ یہ ۱۹۵۲ء کی بات ہے۔ وہ شخص اُس وقت اتنے اعلیٰ پائے کا مصنّف تھا۔ ابھی سیرتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ان کی بڑی محققانہ اور ضخیم کتاب آئی ہے۔ انہوں نے حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نہایت عرق ریزی اور تحقیق سے سرکاری خطوط جمع کئے ہیں۔ سیرت عائشہ صدّیقہ رضؓ پر ان کی محققانہ تصنیف موجود ہے۔ پھر یہ کہ حضرت شیخ الہندؒ کے نام سے دارالعلوم دیوبند میں ایک اکیڈمی قائم ہوئی ہے۔ اس کے وہ ڈائریکٹر ہیں ــــ وہ محاضرات میں بنفسِ نفیس تشریف لانا چاہتے تھے، وہ اس کے بڑے خواہش مند تھے کہ خود آکر میرے موقف کی کلّی تائید فرمائیں۔ فی الوقت وہ کراچی میں مقیم ہیں۔ کافی علیل ہیں۔ ان کے معالجوں نے سفر کی ان کو بالکل اجازت نہیں دی تو ہمارے ایک رفیق ان کا پیغام ٹیپ کرا کے لے آئے تھے جس میں انہوں نے ہر پہلو سے تائید کی ہے، کسی پہلو سے تنقید نہیں کی۔ یہ ٹیپ محاضرات کے پہلے اجلاس میں سنایا گیا ــــ لہٰذا بتائیے کہ مولانا مدظلہٗ کی یہ تائید میرے لئے سرمایۂ زیست ہے یا نہیں؟

اسی طرح حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ (جو برصغیر پاک و ہند میں علی میاں کے نام سے مشہور و معروف ہیں)۔ وہ صرف برِصغیر ہی کے نہیں بلکہ عالمی شہرت کے عالم اور مفکر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ عالم عرب میں وہ جتنے محبوب و مقبول ہیں اس کا کسی کو اندازہ ہو ہی نہیں ہو سکتا۔ عرب مولانا

کی عربی زبان کی تحریر و تقریر سے چٹخارے لیتے ہیں۔ ان کی تحریر و تقریر اتنی اعلیٰ عربی میں ہوتی ہے کہ عرب جو اہل زبان ہیں اس کا لوہا مانتے ہیں۔ ان کے ہاں گنتی کے لوگ ہوں گے جو علی میاں مدظلہٗ کے پائے کی عربی لکھ اور بول سکتے ہوں۔ ان کا خط بھی بڑا حوصلہ افزا آیا ہے۔ ایسے جملے بھی ہیں جن کو میں یہاں نقل بھی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حضرت مولانا گوہر الرحمٰن مدظلہٗ نے اپنے مکتوب گرامی میں اس عاجز کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ اور جہاد بالقرآن کی تحسین و تائید فرمائی ہے۔ نیز قومی اسمبلی کے اجلاس کی وجہ سے عدم شرکت پر معذرت کی ہے۔

یہ سب کچھ عرض کرنے کی غایت یہ ہے کہ مجھے توقع ہے کہ یہ محاضرات ان شاء اللہ ہماری دعوت کے لئے سنگ میل ثابت ہوں گے۔ اللہ کی نصرت و تائید کے بھروسے پر جس چھوٹی سی دینی خدمت کا میں نے آغاز کیا تھا۔ اس پر بہرحال بیس سال بیت گئے ہیں۔ اب تھوڑا وقت باقی ہے لیکن انسان کی یہ کمزوری ہے کہ اس نے جو کام شروع کیا ہو وہ چاہتا ہے کہ اسے پھلتا اور پھولتا دیکھے پھل لاتا ہوا دیکھے۔ اگرچہ سورۂ صف میں ایک عجیب نکتہ آیا ہے۔ فرمایا گیا ہے: وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ ایک چیز تمہیں بڑی محبوب ہے کہ فتح ہو، کامیابی ہو، نتائج نکلیں اور تمہیں اپنے لگائے ہوئے پودے درخت بنتے اور برگ وبار لاتے نظر آئیں۔ یہ تمہیں پسند ہے۔ اللہ کو تو اس سے غرض ہی نہیں۔ اللہ کو یہ کرنا ہو تو آنِ واحد میں کر دے۔ اللہ تو تمہارا امتحان لینا چاہتا ہے کہ تم اس کے دین کے غلبہ کے لئے اپنا تن من دھن لگاتے ہو یا نہیں! اللہ کی نگاہ میں تو وقعت آخرت کی کامیابی کی ہے۔ اس کامیابی کی ہے ہی نہیں۔ یہ تو اونچ نیچ ہے جو ہوتی ہی رہتی ہے: تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔ ــــ وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا۔ میں ایک نوع کی تعریض ہے کہ تمہاری نگاہ میں اس کی بڑی اہمیت ہو گی۔ ہماری نگاہ میں تو اسے پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں ہے۔ ہمارا معاملہ تو ہے کہ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ کون ع "شمع سودائی دل سوزیٔ پروانہ ہے" جو ہمارے دین کے لئے اپنا سب کچھ لگا دے وہ کامیاب ہے۔ چاہے ایک قدم ہی چل پایا ہو کہ موت نے آلیا ہو گویا پہلے ہی قدم پر شہادت قدم چوم لے۔

اس پہلو سے یہ ہماری کمزوری ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہمارا کام بڑھے، پھیلے، پھلے پھولے، نتائج نکلیں۔ میں نے بہرحال اپنی جوانی اور کسی شخص کی عمر کا جو بھی بہترین حصہ ہوتا ہے وہ اس کام میں لگایا ہے۔ اس لئے فطری خواہش ہے کہ یہ کام پائیدار

بنیادوں پر آگے بڑھے۔ دعوتِ قرآنی بھی آگے بڑھے اور اقامتِ دین کی جدوجہد بھی صحیح صحیح رخ پر علیٰ منہاج النبوۃ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوشِ پائے مبارک کو سامنے رکھتے ہوئے آگے بڑھے۔ باقی رہا یہ کہ کون کہاں تک پہنچے گا اور کس منزل تک یہ جدوجہد پہونچے گی یہ کسی کو معلوم نہیں جب قرآن میں خود حضور سے فرمایا گیا کہ اے نبی! آپ کہہ دیجئے: اِنْ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ " مجھے کچھ پتہ نہیں میرا کیا بنے گا اور تمہارا کیا بنے گا!" اور ــــ وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ " مجھے کچھ پتہ نہیں جس عذاب کی تمہیں دھمکی دی جارہی ہے وہ آیا سر پہ آن کھڑا ہے یا ابھی کچھ مہلت ہے"۔ مجھے کچھ معلوم نہیں ہے ــــ تو ہمیں کیا پتہ! ع گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم۔ انسان کا حال تو یہ ہے کہ وہ کبھی خود اپنے پیر کی پشت پر رکھی ہوئی چیز کو نہیں دیکھ پاتا، جیسے ہم کہتے ہیں کہ ناک تلے کی شے نظر نہیں آتی۔ دعویٰ وہ یہ کرتا پھرتا ہے کہ میں یہ دیکھ رہا ہوں وہ دیکھ رہا ہوں اور یہ مستقبل ہے۔ البتہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قرائن و موجود شواہد سے انسان پیش آنے والے واقعات وحالات کا صحیح اندازہ لگا لیتا ہے جیسے علامہ اقبال نے یوں تعبیر کیا ہے ع گاہ میری نگاہ تیز چیر گئی دلِ وجود ــــ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ مستقبل کی کوئی جھلک دکھاتا ہے اور جیسے علامہ نے کہا ہے ؎

آبِ روانِ کبیر تیرے کنارے کوئی دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کے خواب!

اور یہ کہ ؎
پردہ اٹھادوں اگر چہرۂ افکار سے
لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب

یہ دونوں کیفیات ہوتی ہیں۔ بہرحال میرے لئے یہ بات بہت ہی موجبِ اطمینان ہے کہ جو کام میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسیؔ کی تائید و نصرت کے بھروسہ پر شروع کیا تھا اس سمت میں رفتہ رفتہ ہمارے قدم آگے بڑھ رہے ہیں۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّہ

میں نے آج کے لئے جو موضوع اپنے سامنے رکھا تھا اس پر گفتگو کا موقع ہی نہیں آیا اور کافی وقت محاضراتِ قرآنی کے متعلق تاثرات کے بیان میں صرف ہوگیا ــــ ان ہی محاضرات میں ایک بزرگ، مظفرآباد آزاد کشمیر سے تشریف لائے تھے جن کا نامِ نامی ہے مولانا سیّد مظفر حسین ندوی ــــ مجھے ان کے متعلق یہ اندازہ تو تھا کہ بہت خاموش طبع، بہت شریف النفس اور بہت نیک انسان ہیں۔ اس مرتبہ جب وہ ہمارے ساتھ پانچ چھ دن رہے تو اندازہ ہوا کہ صاحبِ دل شخصیت بھی ہیں ــــ ان کو دو اطراف سے فیض بھی پہنچا ہے اور اسی اعتبار سے ان کو دو اطراف سے ذہنی مناسبت بھی ہے۔ وہ

جب ندوہ (لکھنؤ) میں زیرِ تعلیم تھے تو مولانا سیّد ابوالحسن علی میاں مدظلہٗ اور مولانا مسعود عالم ندوی رحمۃ اللہ علیہ دونوں ان کے استاذ تھے۔ مولانا علی میاں ندوی حنفی المسلک ہیں اور مولانا مسعود عالمؒ ندوی سلفی المسلک یعنی اہل حدیث تھے۔ مولانا علی میاں بھی اگرچہ جماعت اسلامی کے ابتدائی دور میں اس میں شریک ہوئے تھے لیکن بہت جلد چند اختلافات اور کچھ چیزوں سے مایوس و بددل ہو کر علیحدہ ہو گئے تھے۔ یہ ۱۹۴۳ء کا زمانہ تھا۔ اس کے بعد ان کا زیادہ وقت تبلیغی جماعت کے ساتھ گزرا ہے۔ جبکہ مولانا مسعود عالم ندویؒ جب جماعت میں آئے تو تادم واپسیں جماعت ہی میں رہے۔ عالم عرب میں مولانا مودودی مرحوم کو متعارف کرانے والے یہی ہیں۔ مولانا مودودی کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرنے اور ان کو عرب میں پھیلانے کا ابتدائی کام مولانا مسعود عالمؒ ندوی ہی نے سرانجام دیا ہے۔ وہ بھی ندوہ کے صاحب قلم تھے اور اپنے عربی مضامین کے باعث جو وہاں عربی رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہتے تھے ایک معروف عربی انشا پرداز کی حیثیت سے کافی معروف و مشہور تھے ـــــ یہ مولانا سیّد مظفر حسین ندوی مدظلہٗ ان دونوں کے شاگرد ہیں۔ لہٰذا دونوں کے مزاج ایک حسین توازن کے ساتھ ان میں جمع ہیں۔ ان کو میں مجمع البحرین اگر کہوں تو بالکل درست ہوگا۔ ایک طرف ان میں حنفیت بھی ہے دوسری طرف اس میں سختی و تشدّد کے بجائے توسّع ہے۔ بڑی وسعتِ قلبی ہے۔ پھر یہ کہ ان کا ایک انقلابی مزاج بھی ہے جو ابتدائی دور میں جماعتِ اسلامی کا تھا اور تبلیغی جماعت کا تقویٰ، تدیّن، دھیما پن بھی ان کی طبیعت کا ایک جزو ہے۔ مزید یہ کہ ۱۹۴۷ء میں جو جہاد کشمیر میں ہوا تھا تو جہاں تک میرا گمان ہے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کا آغاز کیا تھا۔ اس کی تحریک کرنے والے وہی ہیں۔ انہوں نے ہی لوگوں کو اس مقصد کے لئے جمع اور آمادہ کیا تھا۔ بہرحال اس جہاد کی نمایاں ترین شخصیت وہ رہے ہیں۔ اس میں تو کوئی شک نہیں۔ البتہ میں اس کی تحقیق کروں گا کہ اس کی تحریک کرنے والے وہی ہیں یا کوئی اور!

سیّد مظفر حسین صاحب نے محاضرات میں جو تقریر کی اس کے آخر میں انہوں نے محاضرات کے موضوع کے بارے میں تو ایک جملہ کہا کہ مجھے پوری چیز سے اتفاق ہے۔ یہ جملہ ہی بہت قیمتی ہے۔ البتہ انہوں نے اپنی تقریر میں جو اہم بات فرمائی وہ میں ان ہی کے حوالے سے آپ کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں ـــــ دیکھئے ایک تو وہ نقطۂ نظر ہے جو بحیثیت ایک مخلص پاکستانی ہم میں سے ہر ایک کا ہونا چاہئے۔ اور ایک وہ نقطۂ نظر ہے جو ہمارا مومن و مسلم کی حیثیت سے ہونا چاہئے۔ ان دونوں نقطہ ہائے نظر سے ہمارے عمل میں مضبوطی اور پختگی آئے گی ـــــ انہوں نے یہ بات بایں الفاظ نہیں کہی ہے لیکن اس کا جو مفہوم میں نے سمجھا ہے اُسے اپنے الفاظ میں بیان کر رہا ہوں ـــــ ہمارا

خالص مادہ پرستانہ نقطہ نظر بھی اگر ہو کہ یہ پاکستان ہمارا ملک ہے۔ ہمارا وطن ہے۔ اسے مشرق و مغرب سے خطرات لاحق ہیں۔ ہمارے دشمنوں کے بڑے مضبوط حلقے (LOBBIES) ہمارے ملک کے اندر موجود ہیں۔ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد یہاں ہنگامے ہوتے رہے ہیں کبھی لسانی فسادات ہو گئے۔ جیسے کہ بھٹو کے دور میں سندھ میں ہو گئے اور اس موقع پر اندیشہ لاحق ہوا تھا کہ پتہ نہیں کہ اب یہ کشتی اس گرداب سے نکل سکے گی یا نہیں؟ کبھی کبھی سُنّی شیعہ فسادات ایک ہولناک صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ فی الوقت قادیانیوں کا جارحانہ انداز امن و امان کے نقص کا موجب بن سکتا ہے۔

اب ذہنوں میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ملک کی بقا کے لئے، اس کے استحکام کے لئے کوئی سہل نسخہ بھی ہے یا نہیں! ٹھیک ہے طویل نسخے موجود ہیں: اَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ۔ تیاری جاری رکھو۔ جتنی بھی امکان میں ہے۔ اتحاد پیدا کرو۔ جو بھی اپنے RANKS کے اندر اختلافات ہیں انہیں دور کرو۔ یکجہتی پیدا کرو۔ علاقائی سطح پر انصاف کا معاملہ ہو۔ لوگوں کو ان کے جائز حقوق دیئے جائیں تاکہ انہیں اطمینان ہو۔ وہ احساس محرومی میں مبتلا نہ ہوں۔ پھر یہ کہ اگر خارج میں ہمارے کچھ دشمن ہیں تو خارجہ پالیسی کے تحت کچھ دوست بھی تلاش کئے جائیں۔ ان میں سے کسی چیز سے بھی اختلاف نہیں ہے لیکن یہ وہ امور ہیں کہ خالص مادہ پرستانہ اور لادینی نقطۂ نظر رکھنے والے ذہن کا آدمی بھی ان کے متعلق سوچے گا۔ دشمنوں کے مقابلہ میں دوستوں کی تلاش، ان سے معاہدے، اگر معاہدے نہ ہوں تو کوئی اطمینان ہو۔ یہ باتیں تو ہر شخص سوچے گا۔ اسلحہ جمع کرنے کے متعلق ہر ملک سوچے گا کہ کتنا ہم خود بنا سکتے ہیں اور کتنا دوسروں سے لے سکتے ہیں اور وہ کہاں سے مل سکتا ہے۔ کہاں سے نہیں مل سکتا۔ یہ سوچیں تو ہر محبِ وطن کی ہوں گی۔ خواہ وہ مومن و مسلم ہو یا کافر ہو ـــــ لیکن سیّد صاحب موصوف نے دو آیات کے حوالے سے اس کا آسان ترین نسخہ بتایا ہے جس کے مؤثر ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے جو تیر بہدف SHURE SHOT ہے۔ اس نسخہ کا پہلا جزو تو سورۂ محمدؐ کی آیت نمبر ۷ میں ہے: یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ۔ "اے اہلِ ایمان اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا"۔ تو یہ اس نسخہ کا پہلا جزو ہے تم اللہ کی مدد کرو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اب حدیث میں اس انداز کی بہت سی باتیں آئی ہیں۔ فرمایا گیا کہ اگر تم اپنے تمام تفکرات کو ایک فکر میں مدغم کردو ـــــ مجھے اس مدغم کے لفظ سے ایک تاریخی واقعہ یاد آیا۔ مغل بادشاہ محمد شاہ رنگیلا کے دور میں جب ایران کا نادر شاہ علاقوں پر علاقے فتح کرتے ہوئے دہلی کی طرف بڑھ رہا تھا تو علاقہ کے ذمہ دار پرچے پر پرچے بھیج رہے تھے کہ بادشاہ سلامت کچھ

کیجئے۔ دشمن منزل بمنزل دارالحکومت کی طرف بڑھتا چلا آرہا ہے۔ لیکن شاہ صاحب کی جو رنگ رنگیلی محفلیں جما کرتی تھیں، شراب نوشی ہوتی رہتی تھی۔ لہٰذا شاہ کی طبع پر ان پرچوں کا پڑھنا بھی گراں گزرتا تھا تو جو رقعہ آتا تھا اسے وہ بغیر پڑھے شراب کے جام میں پھاڑ کر ڈال دیتے تھے کہ ع

این دفترِ بے معنی غرقِ مئے ناب اَولیٰ

یہ انداز مطلوب ہے کہ دنیا کے تمام تفکرات کو غرق کر دو ایک فکر میں اور وہ فکرِ آخرت ہے۔ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا وہ ارشادِ نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالہ سے ذہن نشین کر لیجئے۔ فرمایا الصادق والمصدوقؐ نے: مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ هَمًّا وَاحِدًا هَمَّ اٰخِرَتِهٖ كَفَاهُ اللّٰهُ هَمَّ دُنْيَاهُ۔ "تو اللہ ذمہ لیتا ہے اس شخص کے تمام دنیا کے تفکرات کو دور کرنے کا" ـــــ بتائیے کہ اس سے زیادہ آسان نسخہ کوئی ہے۔ بس اس کے لئے تھوڑے سے ایمانِ حقیقی کی ضرورت ہے ـــــ اگر وہ تھوڑا سا واقعی یقین کہیں سے میسّر آجائے ؎

یقیں پیدا کر اے ناداں یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

یہ یقین ہے اصل مسئلہ۔ اسی طریقہ سے ایک طویل حدیث کے درمیان میں آتا ہے: مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ "جو شخص اپنے کسی بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگا ہوا ہے، اللہ اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگ جاتا ہے۔ اب آپ بتائیے کہ جو ایک انسان اپنے ایک بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگا ہوا ہے، اللہ کی نگاہ میں اس کی اتنی قدر ہے کہ اس کی ضرورت خود وہ تعالیٰ پوری فرماتا ہے تو اگر اللہ کے دین کی ضرورت کوئی پوری کر رہا ہو تو اس کے ساتھ اللہ کا معاملہ کیا ہوگا! یہ ہے انداز اس آیت کریمہ کا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ اے اہل ایمان اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔" پھر تمہارے قدموں میں کوئی لغزش نہیں ہوگی، تم ثابت قدم رہو گے تو یہ ہے اس نسخہ کا جزوِ اوّل ـــــ

دوسرا جزو کیا ہے! اسے سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۶۰ سے سمجھئے۔ فرمایا: اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ "اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکے گا"۔ یہ بڑی یقین دہانی والی بات ہے۔ جس کا پشت پناہ اللہ بن گیا ہو، جس کا مددگار اللہ ہو تو اب کیا کوئی اللہ پر غالب آسکتا ہے؟ لیکن یہاں ایک دھمکی بھی ہے: وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ

يَنْصُرُ كُمْ مِنْ بَعْدِہٖ ۔ ہوش میں آؤ" اگر اللہ ہی تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو کون ہے وہ جو تمہاری مدد کر سکے اس کے بعد"۔ امریکہ بچا لے گا! میزائل بچا لیں گے! اسلحہ بچا لے گا! اگر اللہ نے چھوڑ دیا تو کوئی بچانے والا نہیں۔ نہ کثرتِ تعداد بچاتی ہے۔ نہ کوئی اور مادی شے بچاتی ہے۔ جنگ حنین میں بارہ ہزار مسلمان تھے، لیکن ابتداء میں شکست ہوئی: وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ ۔ حنین میں جنگ کے دن تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا۔ نتیجہ دیکھ لیا ـــــ اس بات کو جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کفار کے ساتھ خالص مادی سطح پر معاملہ کرتا ہے۔ اگر ان کی آپس کی جنگ ہے تو ان کا معاملہ تو حساب کتاب سے ہوگا۔ اسباب و وسائل کی کمی بیشی فیصلہ کن ہوگی۔ مسلمان کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ اس کے ساتھ معاملہ کے اللہ تعالیٰ کے معیارات بالکل جدا ہیں۔ یہ معیار معلوم کرنا ہے تو حضرتِ طالوت کا جالوت جیسے باجبروت اور عسکری لحاظ سے نہایت مضبوط لشکر سے مقابلہ کا انجام دیکھو۔ جہاں ان مومنین کا یہ قول قرآن مجید نے نقل کیا ہے جن کو یقین تھا کہ مرنے کے بعد اللہ کے حضور میں حاضر ہونا ہے: كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِينَ ○ "بارہا تھوڑی جماعت غالب ہوئی ہے بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔ یہ معیار معلوم کرنا ہے تو معرکہ بدر دیکھو جسے اللہ تعالیٰ نے یوم الفرقان قرار دیا ہے۔ حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والا دن جس روز اللہ تعالیٰ کی مدد سے تین سو تیرہ بے سروسامان مومنین صادقین ایک ہزار کفار کے لشکر پر غالب آئے جو ہر طرح کے ہتھیاروں اور کیل کانٹوں سے لیس اور مسلح تھے۔

ہم مومنین صادقین اور کفار کے معاملہ کے تناسب کو دنیوی معیارات سے گڈمڈ کرتے ہیں اور اصل صورتِ حال یہ ہے کہ عام طور پر ہم اپنے معاملات کو ان معیارات پر سوچنے کے عادی ہو گئے ہیں جو اللہ کے پیمانے اور معیارات کفار کے لئے ہیں۔ مسلمان کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ ان سے تو مستقل وعدہ ہے کہ: وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ "تم ہی غالب و سربلند رہو گے"۔ لیکن یہ وعدہ مشروط ہے اس سے کہ: اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ "بشرطیکہ تم مومن ہو"۔ یعنی سربلندی اور غلبہ کے لئے مومنِ صادق ہونا لازمی شرط ہے ـــــ وہ بھی فرداً فرداً نہیں بلکہ جماعتی اور منظم طور پر۔ علامہ اقبال نے اسی بات کو یوں کہا ہے ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

توسیّد مظفرؔحسین ندوی مدظلہ نے یہ نسخہ تجویز فرمایا کہ اگر ہم بحیثیت قوم وملت اللہ کے دین کے حامی اور مددگار بن جائیں اور اسے اپنے ملک میں مخلصانہ جذبہ کے ساتھ صحیح خطوط پر قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ انفرادی طور پر خود بھی حقیقی مومن بن جائیں اور اجتماعی نظام کو بھی کتاب و سنّت کی تعلیمات کے مطابق استوار کر کے قائم و نافذ کر دیں تو ان شاء اللہ ہمارے ساتھ معاملہ وہ ہوگا جس کی بشارت ان آیات میں دی گئی ہے : اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ ــــ اور اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ ــــ اصل میں یہ باتیں تو بالکل سامنے کی ہیں۔ دو اور دو چار کی نوعیت کی ہیں۔ متعدد بار یہ مضمون اس انداز میں بیان بھی ہوا ہوگا۔ لیکن انہوں نے جس پُر تاثیر انداز سے بیان کیا اس کی شان ہی نرالی تھی ــــ مجھے اس موقع پر ایک واقعہ یاد آیا۔ یہ واقعہ ہے کوئی کہانی نہیں ہے کہ امیرِ افغانستان کی والدہ شدید بیمار تھیں۔ مقامی اطبّاء و حکماء بالکل مایوس ہو چکے تو علاج کے لئے حکیم اجمل خاں مرحوم کو دہلی سے بلایا گیا۔ حکیم صاحب نے دیکھا بھالا اور پھر نسخہ لکھوانا شروع کیا تو امیرِ کابل نے کہا کہ یہ ساری دوائیاں تو ہم استعمال کرا چکے ہیں۔ اس پر حکیم اجمل خاں صاحب نے جواب دیا کہ "بدستِ اجمل خان نخوردہ!" یہ دوائیاں اب اجمل خاں کے ہاتھ سے کھلاؤ ــــ تو دوائیوں کا معاملہ اپنی جگہ ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کس کے ہاتھ سے اور کس کی تجویز اور کس کے نسخے سے وہ دوائی کھلائی جا رہی ہے۔ اس میں بڑا فرق ہے ــــ تو میں نے محسوس کیا کہ سیّد صاحب مدظلہ نے جس طرح دل اور جذبے میں ڈوب کر یہ بات کہی ہے اور جس یقین کے ساتھ کہی ہے یہ قال نہیں حال معلوم ہوتا تھا۔ اس کا میرے دل پر گہرا اثر ہوا اور اسی وقت میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ ان کی بات انہی کے حوالے سے جمعہ کے اجتماع میں اپنے الفاظ میں آپ حضرات کو منتقل کروں گا۔

اب اس مضمون کو تھوڑا سا اور آگے بڑھائیے۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نصرت کا خاص طور پر قرآن مجید میں دو جگہ ذکر آیا ہے۔ ایک جگہ مثبت انداز میں اور ایک جگہ منفی اسلوب سے ــــ مثبت والے انداز کی جو آیت ہے وہ تو ہمارے ایک کتابچے کی اساس و بنیاد ہے۔ وہ سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۵۷ کے آخری حصّہ پر مشتمل ہے جس میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں اللہ تعالیٰ نے چار الفاظ کے حوالہ سے معیّن فرمائی ہیں ــــ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتا دیا تھا کہ جب میرے الرسول النبی الاُمّی مبعوث ہوں گے تو میری ایک رحمتِ خاص ہے وہ میں نے محفوظ (RESERVE) کی ہوئی ہے۔ وہ ان لوگوں

کے لئے مخصوص ہے جو ہمارے اس الرسول النبی الامی کے ساتھ یہ معاملہ کریں گے ۔ وہ اُس رحمت کے حق دار ہوں گے ـــــ وہ کیا معاملہ ہے ! اسے ان الفاظ مبارکہ میں بیان کیا: فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ پس جو لوگ ان پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر، عزت و احترام کریں گے اور ان کی **نصرت و مدد** کریں گے اور اس نور کا اتباع کریں گے جو ان کے ساتھ نازل کیا جائے گا تو کامل فلاح ان ہی کے لئے ہے'' یہاں النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ سے مراد قرآن مجید ہے ۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے بہرحال اس موضوع کو جو حضرات تفصیل سے سمجھنا چاہیں ان کو میں اس موضوع پر اس کتابچہ کے مطالعہ کرنے کی دعوت دوں گا[۱] ـــــ تو یہاں مثبت انداز میں فرمایا کہ اگر تم فلاح و کامیابی چاہتے ہو تو اس کی چار شرائط ہیں ـ حضورؐ پر ایمان، حضورؐ کی تعظیم، حضورؐ کی **نصرت** اور قرآنِ حکیم کا اتباع ـــــ اب غور طلب بات یہ ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نصرت و مدد سے کیا مراد ہے! کیا حضورؐ کو اپنی کسی ذاتی ضرورت کے لئے مدد درکار تھی! کیا آپؐ کو اپنے کسی گھریلو مشکل کے حل کے لئے مدد درکار تھی ـ کیا آپؐ نے اپنی پوری زندگی میں اپنی مالی مدد کے لئے دستِ سوال دراز کیا! ـــــ میرے لئے آنسو ضبط کرنا مشکل ہو جاتا ہے اس واقعہ پر جب بھی اس کا تصوّر آ جاتا ہے کہ جو معاملہ حضورؐ نے حضرتِ ابوبکرؓ کے ساتھ کیا ـ ان سے زیادہ جگری اور کون ہو گا جن کے متعلق فرمایا: لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَا تَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا ـ حضورؐ تو یہاں ایک باہمہ اور بے ہمہ شخص کا نقشہ پیش فرما رہے ہیں ـ اس دنیا میں خلیل میرا کوئی نہیں ـــــ فرماتے ہیں کہ ''اگر میں کسی کو اس دنیا میں خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا'' میرا خلیل صرف اللہ ہے ـ یہ دوسری بات ہے کہ حضورؐ کے اندر محبّت اور شفقت اتنی بے پایاں تھی کہ ہر صحابی محسوس کرتا تھا کہ حضورؐ میرے خلیل ہیں ـ یہ تو ظرف اور حسنِ سلوک کا معاملہ ہے کہ ہر شخص یہ محسوس کرتا تھا کہ شاید آپؐ کی نظرِ عنایت و التفات مجھ ہی پر ہے ـ حضرتِ ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو حدیث ہی ان الفاظ سے روایت کرتے ہیں: اوصانی خلیلی '' میرے دوستؐ، میرے خلیلؐ نے مجھے یہ وصیّت کی تھی'' ـــــ تو جس واقعہ کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ مکّہ میں مشرکین

---

[۱] ''نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں'' کے نام سے یہ کتابچہ مطبوعہ شکل میں موجود ہے ـ (مرتب)

نے فیصلہ کر لیا تھا کہ بنی ہاشم کے علاوہ قریش کے تمام خاندان کے چند نوجوان رات کو چھپ کر حملہ کریں گے اور یکبارگی حضورؐ کو شہید کر دیں گے تاکہ بنی ہاشم کسی ایک خاندان کو موردِ الزام نہ ٹھہرا سکیں۔ حضورؐ کو اس سازش کا علم ہو گیا تھا لیکن اللہ کے اذن کے بغیر نبی اپنا شہر چھوڑ نہیں سکتا۔ لہٰذا حضورؐ بھی ہجرت کے حکم کا انتظار کر رہے ہیں اور ابوبکرؓ بھی منتظر ہیں۔ حالات روز بروز مخدوش ہوتے جا رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو تشویش لاحق تھی کہ کہیں مشرکین مکہ یہ آخری اقدام کر نہ بیٹھیں۔ لہٰذا وہ کافی بے چین تھے اور حضورؐ سے بار بار پوچھتے تھے کہ اجازت آئی یا نہیں آئی اور حضورؐ جواب میں فرماتے کہ ابھی اجازت نہیں آئی ـــــ ایک دن دوپہر کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر تشریف لائے۔ اس طرح دوپہر کے بعد کسی کے گھر جانا عرب کے تمدن اور روایات کے اعتبار سے ایک غیر معمولی بات تھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ حضورؐ دوپہر کے غیر معمولی وقت ہمارے گھر تشریف لائے اور آتے ہی والد صاحب سے فرمایا کہ خاص بات ہے تخلیہ کرا دو۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ آپ کی اہلیہ عائشہؓ کے سوا کوئی اور ہے ہی نہیں ـــ اس وقت تک حضرت عائشہؓ آپؐ کے نکاح میں آ چکی تھیں۔ حضورؐ نے فرمایا ہجرت کی اجازت آ گئی ہے۔ اب حضرت ابوبکرؓ کی خوشی کی جو کیفیت ہو گی اس کا آپ حضرات اندازہ کیجئے کہ انہوں نے حضورؐ کو بتائے بغیر دو اونٹنیاں خوب کھلا پلا کر تیار کی ہوئی تھیں۔ اونٹ کا یہ معاملہ ہے کہ اگر اسے خوب کھلایا پلایا جائے تو اس کے اندر قوت جمع (ENERGY STORE) ہو جایا کرتی ہے۔ دور دراز کا سفر ہے۔ پھر تعاقب کا بھی اندیشہ ہے لہٰذا حضرت ابوبکرؓ نے دو تیز رفتار اونٹنیاں خوب فربہ کر رکھی تھیں۔ لہٰذا بڑے مسرت کے انداز سے عرض کرتے ہیں کہ حضورؐ میں نے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی ہیں ـــــ اب ہے وہ مرحلہ حضورؐ تھوڑی دیر توقف فرما کر ارشاد فرماتے ہیں کہ "ٹھیک ہے ایک اونٹنی میں استعمال کروں گا اور میں اس کی قیمت ادا کروں گا" ـــ یہ سن کر رو پڑے حضرت ابوبکرؓ اور عرض کیا "حضورؐ کیا یہ جان اور مال کسی اور کے لئے ہیں!" ـــ یہ تو ان کے الفاظ ہیں۔ میں ان کی تعبیر یوں کیا کرتا ہوں کہ حضورؐ مجھ سے بھی اتنی مغائرت! ـــ تو یہ تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ـــ کس کام کے لئے آپؐ کو مدد درکار تھی ـ وہ مدد تھی اللہ کی مدد۔ اللہ کے دین کی مدد۔ اللہ کے دین کے غلبہ کی جدوجہد کی مدد۔ اللہ کی کبریائی کے نظام کو برپا اور قائم کرنے کے کام میں مدد ـــ حضورؐ کو کوئی ذاتی مدد، کوئی خاندانی مدد، کسی اور مسئلہ میں استمداد ـ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ـــ سیرتِ مطہرہ ہیں تو حضورؐ

کی بے نفسی کا یہ عالم سامنے آتا ہے کہ جب آپ سواری پر تشریف فرما ہوتے تھے اور آپ کا کوڑا زمین پر گر جاتا تھا تو سواری کو بٹھانا، اس سے اترنا اور کوڑا خود اٹھانا آپ کو اس سے کہیں زیادہ پسند تھا کہ کسی سے فرمائیں کہ ذرا مجھے کوڑا اٹھا دینا ـــــ تو حضورؐ کو جو نصرت مطلوب تھی، وہ اللہ کے دین کے غلبہ اور اس کی کبریائی کے نفاذ کے لئے مطلوب تھی۔ اسی نصرت کا مثبت انداز میں یہاں ذکر آیا ہے: فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

اب اسی کو منفی طور پر سورۂ توبہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے یہ حسنِ اتفاق ہوا ہے کہ یہ معاملہ بھی اسی ہجرت کا ہے جس کا ایک پہلو میں نے آپ حضرات کو ابھی سنایا۔ میرے ذہن میں یہ بات پہلے اس طرح نہیں تھی ـــــ سورۂ توبہ میں فرمایا: اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ـــــ غزوہ تبوک کے موقع پر فرمایا جا رہا ہے کہ یہ جو تم سے کہا جا رہا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو اگر تمہاری ہمتیں پست ہوئی جا رہی ہیں اِثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ۔ اگر تم زمین میں دھنسے جا رہے ہو۔ تمہارے پاؤں من من بھر کے ہو گئے ہیں، تمہیں حضورؐ کے ساتھ قیصرِ روم کے خلاف جہاد و قتال کے لئے نکلنا بہت شاق اور گراں گزر رہا ہے تو ذرا یاد کرو اللہ محتاج نہیں ہے۔ اگر تم اس مرحلہ پر ہمارے رسول کی مدد نہیں کرو گے تو اللہ نے ہر مرحلہ پر اپنے رسول کی مدد کی ہے۔ جب یہ صرف دو تھے اور غار میں تھے تو کون تھا ان کو دشمنوں سے بچانے والا! ـــــ جب کہ حضرت ابوبکرؓ اپنے لئے اور اپنی جان کے لئے نہیں بلکہ حضورؐ کی جان کی وجہ سے اس قدر پریشان ہوئے کہ سرگوشی سے عرض کیا کہ حضورؐ ان دشمنوں نے جو غار کے دہانے تک پہنچ گئے ہیں اگر قدموں کی طرف جھک کر غار میں جھانک بھی لیا تو ہم دیکھ لئے جائیں گے ـــــ لیکن یہ کہ غار کے دہانے پر مکڑی کا جالا تھا۔ اور نیچے کبوتری کا گھونسلا تھا جس میں انڈے موجود تھے۔ جو علامت تھے اس بات کی کہ کوئی فرد غار کے اندر داخل نہیں ہوا۔ ہوتا تو جالا ٹوٹ جاتا۔ گھونسلہ اور انڈے بکھر جاتے ـــــ ذرا قدرتِ الٰہی کا اندازہ کیجئے کہ بچاتا ہے تو مکڑی کے جالے اور کبوتری کے گھونسلے اور انڈوں سے۔ ماہر ترین کھوجی غار تک تعاقب کرنے والے مشرکین کے اس دستہ کو لے آیا ہے جس کا سردار ابوجہل ہے جس کی ذہانت اور زیرکی کی وجہ سے مشرکینِ قریش اسے ابوالحکم کہتے تھے۔ کھوجی اصرار کر رہا ہے کہ میرا علم اور میرا تجربہ بتاتا ہے کہ محمد (صلی اللہ

علیہ وسلم) اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) دونوں اس غار تک آئے ہیں اور یہاں سے آگے نہیں گئے۔ لہٰذا ہوں نہ ہوں غار میں ہیں ـــ اب غور کیجئے کہ کیا بات تھی! وہ کیوں رکے رہے۔ وہ ذرا جھک کر دیکھ لیتے! کس قدر باریک پردہ ہے! لیکن اصل بات تو اس طرح نصرتِ الٰہی کا ظہور تھا۔ انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ یُصَرِّفُ کَیْفَ یَشَآءُ۔ وہ جس طرف چاہے ان کو پھیر دے۔ لہٰذا ابوجہل غار کے دہانے پر کھڑا ہے اور پکار رہا ہے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر اندر ہو تو نکل آؤ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں قتل نہیں کروں گا بلکہ زندہ مکہ لے جاؤں گا ـــ اس وقت حضرت ابوبکرؓ گھبرائے اور حضور نے تسلّی میں یہ بات فرمائی: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ۔ "کیوں گھبراتے ہو اے ابوبکر! اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔ پس اللہ نے مدد فرمائی تو اس طرح فرمائی ـــ البتہ دیکھنا یہ ہے کہ اللہ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے مدعیان بھی مدد کرتے ہیں کہ نہیں۔ یہی ان کا امتحان ہے۔ زندگی کا فلسفہ یہی ہے کہ یہ امتحان کے لئے ہے ؎

قلزمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب　　　اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

تمہارے ایمان کا امتحان ہے۔ تمہارے شوقِ عبادت کا امتحان ہے۔ تمہارے جذبۂ انفاق کا امتحان ہے۔ تمہارے طرزِ عمل کا امتحان ہے۔ تمہارے جوشِ جہاد کا امتحان ہے۔ تمہارے ذوقِ شہادت کا امتحان ہے۔ امتحان کے سوا اور کچھ یہاں مطلوب نہیں: خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۔ موت و حیات کے اس سلسلہ کی غایت ہی جانچنا اور پرکھنا ہے۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں ـــ اس نصرت کو سمجھنے کے لئے سورۃ اعراف اور سورہ توبہ کی یہ آیات ذہن نشین کر لیں۔ اب دو آیات کا مفہوم مجھے اور بیان کرنا ہے جس کے بعد میری آج کی گفتگو مکمل ہو جائے گی۔

اب دیکھئے کہ نصرت اصلاً درکار ہے دین کی۔ آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ میں نے آج شروع کی دعاؤں میں وہ دعا بھی شامل کی جو خطبہ میں ہم ہمیشہ مانگتے ہیں کہ: اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاجْعَلْنَا مِنْھُمْ ۔ "اے اللہ　　مدد فرما ہر اس بندے کی جو مدد کرے تیرے نبی محمدؐ کے دین کی اور ہم کو ان ہی میں سے بنا دے، انہی میں شامل فرما دے"۔ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا تَجْعَلْنَا مَعَھُمْ "اور ہر اس شخص کو رسوا کر دے، اپنی توفیق اس سے سلب کر لے، اس کی مدد سے دستکش ہو جا جو تیرے نبی محمدؐ کے دین سے دستکش ہو رہا ہو اور اے اللہ ہمیں ان کے ساتھ شامل نہ کیجیو"۔ میں اس کی تعبیر یوں کیا کرتا ہوں

کہ اے اللہ ہم کبھی دھوکہ سے بھی ایسے لوگوں کے پھندے میں پھنس جائیں ۔ معاشرے میں ایسے لوگ ہر دور میں موجود رہتے ہیں جو گندم نما جَو فروش کے زمرے میں آتے ہیں۔ دکھاتے گندم ہیں اور بیچتے جَو ہیں ۔ بظاہر دین کی خدمت ہے اصل میں دنیا مطلوب ہے ۔ کوئی چوہدراہٹ مقصود ہے شہرت درکار ہے۔ کسی اور پہلو سے کوئی منفعت پیشِ نظر ہے تو ایسے گندم نما جَو فروش موجود ہوتے ہیں ۔ بس ہم کسی کی گندم نمائی سے دھوکہ کھا کر اس کے ساتھی نہ بن جائیں ۔ یہ ہے دعا ۔ اس میں آپ نے دیکھا کہ نصرت و مدد کس کی درکار ہے ! دین کی ـــــ لیکن اس دین کی نسبتیں دو ہو جاتی ہیں۔ یہ ہے وہ بات جو میں دو مزید آیات کے حوالے سے سمجھانا چاہتا ہوں ۔

آپ جانتے ہیں کہ دین کس کا ہے ! اللہ کا ۔ نبی کی طرف اس کی نسبت مجازی ہے ۔ دین کی ایک نسبت ہماری طرف بھی ہے : لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ تمہارا دین تمہارے لئے اور میرا دین میرے لئے ۔" میرا دین، تمہارا دین، اس کا دین، یہ سب نسبتیں مجازی ہیں ۔ دینِ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم یہ بھی مجازی نسبت ہے ۔ دین کی اصل نسبت کس کی طرف ہے ! اللہ کی طرف "دین اللہ" ۔ اس لئے کہ دین اس کو کہتے ہیں کہ کسی ہستی یا ادارہ کو مطاعِ مطلق مان کر اس کی اطاعت کے مطابق پوری زندگی کا نقشہ بنایا جائے ـــــ یہ نقشہ قبول کرنے والے کا دین ہوگا ـــــ اگر کسی بادشاہ کی حاکمیت کو مطلق العنان تسلیم کر لیا گیا اور اس کی ABSOLUTE SOVEIRGNITY مان لی گئی ۔ اسے قانون سازی کا مختارِ کل تسلیم کر لیا گیا کہ وہ جو چاہے قانون بنائے جس چیز کو چاہے حلال قرار دیدے جس کو چاہے حرام ٹھہرا دے تو اس نظریہ کے تحت جو نظام بنے گا اور رائج ہوگا وہ دین الملک کہلائے گا ۔ یہ لفظ سورۂ یوسف میں آیا ہے : مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِيْنِ الْمَلِكِ ۔ اس کو آپ قیاس کر لیجئے ، جمہور کی حاکمیت کے اصول پر ۔ جمہور کے قانون سازی کے اختیارِ مطلق کے اصول پر ـــــ اس اصول پر جو نظام بنے گا وہ کہلائے گا دین الجمہور ـــــ اور اللہ کو حاکمِ مطلق مان کر جیسے ہم نے تبرکاً قراردادِ مقاصد میں مانا ہوا ہے ۔ تبرکاً ہی ہے ورنہ اندر خانہ آج تک تو مانا نہیں ۔ آج کی تاریخ تک تو مانا نہیں ۔ جھوٹ کہتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ مانا ہوا ہے ۔ فلاں چیز مستثنیٰ، فلاں چیز مستثنیٰ تو کیا مانا ! خاک مانا ! جس چیز میں بیگمات ناراض ہوں، وہ مستثنیٰ ۔ جس میں امریکہ ناراض ہو وہ مستثنیٰ ۔ جس میں کارخانہ دار ناراض ہو وہ مستثنیٰ ۔ جس میں زمیندار ناراض ہو وہ مستثنیٰ ۔ تو کیا مانا ! اللہ کو حقیقتاً حاکمِ مطلق مان لینا ہی تو ایک بات ہے ۔ یہی تو توحید ہے ؎

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ! ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

لیکن یہ بڑی بھاری بات ہے۔ قولِ ثقیل ہے۔ ایک اللہ کا بندہ بن جانا انفرادی اعتبار سے بہت مشکل ہے اور اجتماعی اعتبار سے صرف اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے اصول پہ پورے نظام زندگی کو استوار کر دینا آسان کام نہیں ہے۔ یہ کام تو وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرانجام دیا تھا۔ کوشش ہم کرسکتے ہیں کوشش کرنے ہی میں ہمارے لئے کامیابی ہے کر لینا آسان کام نہیں ہے۔ بہرحال عرض یہ کر رہا تھا کہ اللہ کو حاکم مطلق مان کر جو نظام بنے گا وہ کہلائے گا دین اللہ ـــــ یہ اصطلاح سورۃ النصر میں استعمال ہوئی ہے : اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ ہ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ہ

تو دین اصلاً اللہ کا ہے اس کے غلبہ اور اس کی سربلندی کے لئے جدوجہد کرنا کس کی مدد ہوئی ! اللہ کی مدد ! اس کو غالب اور سربلند کرنے کے لئے اللہ نے اپنا رسول بھیجا۔ صلی اللہ علیہ وسلم ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡھُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡھِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ وَلَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ہ "وہی ہے اللہ جس نے بھیجا اپنے رسول کو الھدیٰ اور دین الحق دے کر تاکہ وہ غالب کر دے اسے کل کے کل دین پہ چاہے یہ بات مشرکوں کو کتنی ناگوار گزرے"۔ تو دین غالب کرنے کا فرض منصبی کس کا ! رسول کا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگر تم اس دین کی سربلندی اور غلبہ کے لئے تن من دھن لگا رہے ہو، رسولؐ کے دست و بازو بن رہے ہو تو کس کی مدد ہوئی ! رسولؐ کی مدد۔ تو یہ تین چیزیں ہوگئیں ۔ دین کی مدد، دین کی نصرت ایک طرف اللہ کی مدد و نصرت ہے اور دوسری طرف رسولؐ کی مدد و نصرت ہے۔ اس کے لئے دو آیات نوٹ کر لیں ۔

ایک آیت تو سورۂ حدید کی ہے۔ یہ آیت کریمہ قرآن مجید کی جامع ترین آیات میں سے ایک ہے ۔ میں اس وقت اس کا ترجمہ سنا سکتا اور مختصر تشریح کر سکتا ہوں۔ چونکہ اس سے زائد کے لئے وقت نہیں ہے۔ فرمایا: لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ "ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو روشن تعلیمات اور واضح نشانیوں کے ساتھ"، بیّنات کا دونوں پر اطلاق ہوگا۔ جو تعلیمات وہ لے کر آئے وہ بھی روشن اور فطرتِ انسانی کی جانی پہچانی اور وہ جو معجزے لائے وہ بھی بیّن، واضح اور روشن ۔ وَاَنۡزَلۡنَا مَعَھُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡمِیۡزَانَ "اور ان کے ساتھ ہم نے کتاب بھی نازل کی، میزان بھی اتاری"۔ میزان سے مراد سب کے نزدیک شریعت ہے وہ نظام عدل جو اللہ نے دیا۔ معاشی میدان میں یوں عدل و انصاف ہوگا۔ سیاسی میدان میں یوں عدل و انصاف ہوگا ۔ شوہر اور بیوی کے حقوق و فرائض کا یہ توازن ہوگا ۔ آجر اور مستاجر کے مابین حقوق و فرائض کا یہ توازن ہوگا۔

بائع اور مشتری کے مابین حقوق و فرائض کا یہ توازن ہوگا۔ فرد اور اجتماعیت کے مابین حقوق و فرائض کا یہ توازن ہوگا۔ زندگی کے ہر گوشے اور ہر پہلو میں توازن ہوگا۔ شریعت کی میزان میں ہر ایک کا حق تُلے گا اور ایک کا حق دوسرے کا فرض ہے۔ والدین کے جو حقوق ہیں اولاد پر وہ اولاد کے والدین کے بارے میں فرائض ہیں۔ شوہر کے بیوی پر جو حقوق ہیں وہ بیوی کے شوہر کے متعلق فرائض ہیں۔ بات تو ایک ہی ہے۔ پس پوری اجتماعی زندگی میں حقوق و فرائض کا ایک توازن ہے ——
اب غور کیجئے کہ سب کچھ کیوں کیا گیا کہ اللہ نے رسول بھیجے، تعلیمات اتاریں، بیّنات اتاریں۔ کتاب نازل فرمائی، میزان اتاری۔ کس لئے! کاہے کے لئے! یہ کوئی اللہ کی HOBBY ہے۔ کوئی مشغلہ ہے کوئی تفریح ہے۔ یا کوئی کارِ عبث ہے! معاذ اللہ ثم معاذ اللہ — ہم نے یہی سمجھا ہے کہ بے مقصد کام ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ اس دین کو، اس قرآن کو، اس شریعت کو ایک طرف رکھے رہیئے ع چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب —— اسے بند رکھنے ہی میں عافیت ہے۔ یہ پٹارہ کھل گیا تو ہماری خیر نہیں۔ ہمارے مفادات کی خیر نہیں۔ ہماری چودھراہٹوں کی خیر نہیں، ہماری پیشوائیوں کی خیر نہیں۔ علّامہ اقبال نے بڑے سادہ الفاظ میں ابلیس کی زبان سے کہلوایا ہے

جانتا ہوں میں یہ اُمّت حاملِ قرآں نہیں — ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں — بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں!
عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف — ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں!

نئے تقاضے ابھر رہے ہیں، نئے نظریات جنم لے رہے ہیں اور محسوس ہو رہا ہے کہ شاید ؏

جو حرف قُلِ العَفْو میں پوشیدہ تھی اب تک — اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

کچھ تقاضے ہیں جو سامنے آ رہے ہیں لیکن ہمارا وطیرہ یہ ہے کہ ؎

مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں اسے — پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے
اور: ہے یہی بہتر الٰہیات میں الجھا رہے! — یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھا رہے
اور: ابنِ مریم مر گیا یا زندۂ جاوید ہے — ہیں صفاتِ ذاتِ حق حق سے جدا یا عینِ ذات
ہیں کتاب اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم! — اُمّتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات

ان گتھیوں کو سلجھاؤ گویا اسی سمجھنے سمجھانے پر دنیا و آخرت کی فلاح اور نجات کا دار و مدار ہے۔ پھر یہ تو پرانے زمانے کی باتیں ہیں۔ اب تو نور و بشر کی گرما گرم بحث ہی نہیں جدال ہو رہا ہے

اسی میں لڑتے اور لڑاتے رہو۔ حضورؐ کا سایہ تھا یا نہیں تھا۔ اسی جھگڑے میں الجھاتے رہو۔ انہی مسائل پر مناظرے ہوں۔ پھر بڑے بڑے میلے ٹھیلے ہیں۔ عرس ہیں کبھی فلاں بزرگ کا عرس ہے کبھی فلاں کا۔ اخبارات میں روزانہ ہی کسی نہ کسی کے عرس کے بڑے بڑے اشتہار چھپتے رہتے ہیں۔ مزاروں کی تصاویر بڑی عقیدت سے خریدی اور گھروں میں آویزاں کی جا رہی ہیں۔ یہ ہیں وہ چیزیں جو بطور کھلونا دے دی گئی ہیں ع کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں ــــ

یہ باتیں دکھی دل کی پکار بن کر نوکِ زبان پر آگئیں۔ سلسلۂ کلام یہ ہے کہ غور طلب بات یہ ہے کہ الکتاب (قرآن مجید) کس لئے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا اور المیزان (شریعت اسلامی) کس لئے اللہ تعالیٰ نے اتاری تھی۔ اس کو نہایت وضاحت و صراحت کے ساتھ آگے بیان فرمایا: لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ تاکہ لوگ عدل و انصاف پر کاربند ہوں۔ قائم ہوں۔ یہ ترازو نصب کیا جائے۔ یہ دھرم کنڈا صرف دکھاوے کے لئے نہ ہو بلکہ اس میں ہر چیز فی الواقع تلے اور حقدار کو اس کا پورا حق ملے۔ لیکن یہ ترازو نصب کون ہونے دے گا! جو اپنے حق سے زیادہ لے رہا ہے وہ پسند کرے گا کہ میزانِ عدل سے تول کر لے؟ جو محروم ہیں وہ تو چاہیں گے کہ بھائی ترازو سے تولو۔ یہ کیا کہ دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کر لے جا رہے ہو اور ہمیں ایک مٹھی پر ٹرخا رہے ہو وہ تو چاہیں گے۔ چاہے ہمت نہ ہو، جرأت نہ ہو، کھڑے نہ ہو سکیں لیکن جو اپنے حق سے زائد لے رہے ہیں وہ کبھی چاہیں گے کہ عدل و قسط کی میزان قائم ہو، نصب ہو۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو چاہے دلیل سے قائل بھی ہو جائیں بالفعل مانیں گے کبھی نہیں۔ یہ لاتوں کے بھوت ہیں باتوں سے کبھی ماننے والے نہیں۔ اسی لئے فرمایا: وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ "ہم نے لوہا بھی اتارا ہے کہ نہیں"۔ پنجابی میں کہتے ہیں کہ نہیں، چار کتاباں عرشوں آیاں، پانچواں آیا ڈنڈا، اسی کو اقبال نے یوں کہہ دیا ع عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد ــــ لوگ میری باتوں سے گھبراتے ہیں کہ یہ کیا باتیں کرتا ہے۔ لیکن میں قرآن حکیم کی انقلابی دعوت پیش کرتا ہوں ــــ اللہ تعالیٰ خود فرما رہے ہیں کہ: وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ۔ "اور ہم نے لوہا اتارا ہے" کیوں اتارا ہے! اس لئے کہ اس میں جنگ کی صلاحیت ہے اور لوگوں کے لئے اس میں کچھ دوسری منفعتیں بھی ہیں چمٹا، پھکنی، توا، پرات اور بھی روزمرہ کے استعمال کی ہزاروں چیزیں بھی اس لوہے سے بنتی ہیں لیکن حقیقت میں اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس سے اسلحہ بنایا جائے۔ چنانچہ فرمایا: فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ــــ اور یہ اس لئے اتارا گیا ہے کہ اس اسلحہ کی طاقت کو وہ لوگ جو میرے دین کے

ماننے والے ہیں جو میرے نازل کردہ نظامِ عدل و قسط پر ایمان رکھتے ہیں، ہاتھ میں لیں اور ان لوگوں کی سرکوبی کریں جو میرے دین سے سرتابی کریں ــــ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ "تاکہ اللہ دیکھے کہ کون ہیں اس کے وفادار بندے جو اس لوہے کی طاقت کو ہاتھ میں لے کر غیب میں رہتے ہوئے بھی اللہ کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں" اللہ کی مدد کیا ہے! اس کے نازل کردہ دین کی سربلندی اور اس کا نفاذ ـ رسول کی مدد کیا ہے! اس کے لائے ہوئے دین کی سربلندی اور اس کا نفاذ ــــ آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ بذاتہٖ قوت والا اور زبردست ہے۔ غالب ہے۔ وہ اس کا محتاج نہیں ہے کہ تمہاری مدد ہو گی تو اس کا دین قائم و نافذ ہوگا سربلند ہوگا۔ اس کی تکوینی حکومت اس کائنات کے ذرّے ذرّے پر مستولی ہے، اس دنیا میں اس کا تشریعی نظام قائم کرنے کی ذمہ داری بغرضِ امتحان ان لوگوں کے سپرد کی گئی ہے جو اس پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کے مدّعی ہیں ـ وہ دیکھنا اور جانچنا چاہتا ہے کہ یہ مدعیانِ ایمان اللہ کے دین کی تنفیذ کے لئے اپنے تن من دھن کی قربانی کے لئے بھی تیار ہیں یا نہیں ــــ اس کے لئے یہ ضرور ہے کہ اس فریضہ کی انجام دہی کے لئے ہمیں سیرتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام میں جو تدریج ملتی ہے اسے ملحوظ رکھا جائے۔ بصورتِ دیگر فساد رونما ہو جائے گا۔ فتنہ اٹھ کھڑا ہو گا۔ بارہ برس تک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مار کھانے کی مشق کرائی ہے اور خود ماریں کھائی ہیں۔ صحابہؓ نے نہایت بہیمانہ مظالم کو برداشت کیا ہے اور دشمنوں میں سے کسی کا بال تک بیکا نہیں کیا ــــ نہ یہ کیا کہ ہاتھ میں ہتھوڑا پکڑ کر خانہ کعبہ میں جو تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے ان کو توڑنا شروع کر دیتے۔ پورے نظم و ضبط کے ساتھ اپنے ہاتھ بندھے رکھے۔ یہ تمام باتیں سیرتِ مطہرہ کی روشنی میں جملہ مراحلِ انقلابِ اسلامی کے بیان میں آٹھ دس تقریروں کے ذریعے آپ کے سامنے تفصیل سے بیان کر چکا ہوں [1]

اسی نصرت کے تذکرہ کی آیت پر سورہ صف ختم ہوتی ہے۔ وہاں بھی دو نصرتوں کا بیان ہے۔ ایک اللہ کی نصرت دوسری رسول کی نصرت۔ فرمایا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ "اے اہلِ ایمان! اللہ کے مددگار بنو" یہاں زوردار دعوت کا اسلوب ہے۔ آگے فرمایا۔ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ط جیسے کہ یاد کرو چھ سو برس قبل عیسیٰ ابن مریمؑ نے صدا لگائی تھی ــــ حضورؐ پر وحی کا آغاز ۶۱۰ء عیسوی میں ہوا ہے۔ چنانچہ

---

[1] ان تقاریر کی اشاعت کا قسط وار سلسلہ ان شاء اللہ جون ۸۵ کے شمارے سے ہوگا (مرتب)

حضرت عیسیٰؑ اور حضورؐ میں چھ صدیوں کا فصل ہے ــــ تو فرمایا کہ جیسے آج ہمارا آخری رسول تمہیں پکار رہا ہے کہ مدد کرو اللہ کی اور مدد کرو میری۔ اسی طرح چھ سو برس قبل آواز لگی تھی اور حضرت عیسیٰؑ ابن مریم نے اپنے حواریّین کو پکارا تھا کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی طرف، میں نے تو دعوت الی اللہ کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میں تو اللہ کے دین کے قیام کی جدوجہد کے لئے آگے بڑھ رہا ہوں۔ اب کون ہے جو میرا مددگار اور ساتھی بنے۔ میرے اعوان و انصار میں شامل ہو۔ یہ ندا تھی حضرت مسیح علیہ السّلام کی کہ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ؕ اللہ کے کام میں، اللہ کے دین کے لئے کون معین و معاون بنتا ہے۔ دیکھئے دو نسبتیں آگئیں مَنْ اَنْصَارِیْ کون ہے میرا مددگار۔ اور "اِلَی اللّٰہِ" اللہ کی طرف یعنی اللہ کے دین کے لئے ــــ اس کے بعد تاریخ کی ایک جھلک دکھائی گئی۔ تمہیں یاد ہے کہ حضرت عیسیٰ کی دعوت قبول کرنے والے کتنے کم تھے۔ بارہ تو وہ تھے جن کو حواری کہا جاتا ہے اور جو ہر وقت آنجنابؑ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ ان میں سے ایک غدّاری کر گیا تھا۔ دوسرا پیٹر تھا جس نے جب بہت ہی وفاداری اور عقیدت مندی کا اظہار کیا تھا تو حضرت مسیحؑ نے فرمایا تھا کہ "پیٹر! صبح مرغ کی بانگ سے پہلے پہلے تم دو یا تین مرتبہ میرا انکار کرو گے"۔ تو جب حضرت عیسیٰ کو گرفتار کرنے کے لئے رومی فوج کے دستے نے ایک حواری کی غدّاری اور مخبری کی وجہ سے آپ کی پناہ گاہ پہونچ کر پکڑ دھکڑ شروع کی تو پیٹر جزع فزع کرنے لگا۔ اس نے آنجنابؑ سے بے تعلقی کا اظہار کیا۔ آپؑ کے حواری ہونے سے انکار کیا۔ یہ تمام باتیں موجودہ اناجیل میں مذکور ہیں۔ اب رہ گئے دس حواری تو حضرت مسیح کے رفع آسمانی (اور عیسائیوں کے بقول مصلوب ہونے) کے بعد ان سے اب جو دعوت شروع ہوئی تو اس نے جڑ پکڑنی شروع کی ان حواریوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے۔ ان کی دعوت پہ ایمان لانے والوں کو زندہ آگ میں جلایا گیا لیکن حق کا چراغ روشن سے روشن تر ہوتا گیا۔ چنانچہ فرمایا: کَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ ۚ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَکَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ "جیسے کہ عیسیٰ نے پکارا حواریوں کو کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی طرف تو حواریوں نے لبیک کہا کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار۔ پس بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ نے کفر کی روش اختیار کی" فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّھِمْ۔ "پس ہم نے ان اہل ایمان کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد کی"۔ فَاَصْبَحُوْا ظٰھِرِیْنَ ۝ "پھر وہی اہل ایمان غالب ہوئے" ــــ وہی بات آگئی: اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ

— اور اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ —

سورہ صف کی اس آخری آیت میں اہلِ ایمان کے لئے اللہ کے دین کی نصرت کی پُرزور دعوت آگئی۔ فرمایا جارہا ہے کہ اے مسلمانو! تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ پھر ہمارا رسول ہے جو تمہیں اللہ کے دین کی نصرت کے لئے پکار رہا ہے۔ آؤ اللہ کے دینِ توحید کے قیام و نفاذ کے لئے اس کے دست و بازو بنو — مجھے بے ساختہ اقبال کا یہ شعر یاد آگیا ؎

آگ ہے اولادِ ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

تاریخ تو اپنے آپ کو دہراتی رہے گی۔ آج ہم میں سے ہر شخص کی سعادت اسی میں ہے کہ اس پکار کو کھلے کانوں سے سنے اور کھلے دل سے قبول کرے۔

یہ ہے وہ تیر بہدف (SHURE SHOT) اور مجرب نسخہ۔ تم اللہ کے دین کی مدد میں لگو۔ اللہ تمہارے دنیا کے تمام معاملات کا ذمہ خود لے گا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ — اور اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ
بَارَكَ اللّٰهُ لِيْ وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَنَفَعَنِيْ وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝

ضرورت رشتہ

بورڈ آف ٹیکنیکل ایجوکیشن لاہور سے ٹیچنگ ان ٹیلرنگ، ڈریس میکنگ و فیبرک پرنٹنگ کی تین سالہ ڈپلومہ ہولڈر دوشیزہ۔ عمر پچیس سال۔ اسلامی روایات کی پابند، اور امورِ خانہ داری میں ماہر ہے کے لیے خالصتاً اسلامی ذہن والے ہم پلہ نوجوان جو تنظیم اسلامی سے باضابطہ منسلک ہوں یا دلچسپی رکھتے ہوں بلاتفریق ذات جہیز کی خواہش سے مبرا اور نکاح کی ادائیگی مسجد میں ہونے پر رضامند ہوں، رجوع کریں۔

معرفت: بکس نمبر ۲۰۲ قرآن اکیڈمی، K-۳۶ ماڈل ٹاؤن لاہور نمبر ۱۴۔

حضرت مولینا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

اپنی تالیف **وحدت اُمّت** میں اگر

○ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اور مولانا سید انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ

کے دو ایمان افروز اور سبق آموز واقعات کے سوا اور کچھ نہ لکھتے

تب بھی یہ کتاب موتیوں میں تُلنے کی مستحق ہوتی

وقت کے اہم ترین موضوع پر اس بہترین اور مفید ترین کتاب کو

اب مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شایانِ شایان طور پر شائع کیا ہے۔

بڑے سائز کے ۵۲ صفحات ○ عمدہ دبیز کاغذ ○ دیدہ زیب کور

ھدیہ : ۴ روپے ○ علاوہ محصول ڈاک

ڈاکٹر اسرار احمد

نے اپنی دوسری دینی اور علمی خدمات کیساتھ ساتھ شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں

ایک اصلاحی تحریک

بھی برپا کی اور خطبۂ نکاح کو صرف ایک رسم

کی بجائے واقعی تذکیر و نصیحت اور معاشرتی زندگی سے متعلق اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کا ذریعہ بنایا

اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی ایک اہم تحریر اور ایک خطبۂ نکاح کو دیدہ زیب کتاب کی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے۔

بڑے سائز کے ۴۸ صفحات ○ عمدہ دبیز کاغذ ○ دیدہ زیب کور ،

ہدیہ : ۴ روپے ـــــــ محصول ڈاک علاوہ

ان دونوں کی زیادہ سے زیادہ اشاعت اہم قومی، ملی اور دینی فریضہ ہے

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ
فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ
وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید : ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں جنگ کی بڑی قوت ہے

اور لوگوں کے لیے بڑے فوائد بھی ہیں۔

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲- ایمپریس روڈ - لاہور

ڈاکٹر اسرار احمد اور انکی دینی خدمت

مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدظلہ کی نگاہ میں

مولانا سعید احمد اکبر آبادی دامت فیوضہم برصغیر پاک و ہند کی نہایت مشہور و معروف دینی اور علمی شخصیت ہیں۔ موصوف کا تعارف محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے خطاب جمعہ میں بھی موجود ہے جو اسی شمارے میں شامل ہے۔ ۱۹ مارچ ۸۸ء کو راقم الحروف مولانا موصوف کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ مولانا کا محاضرات میں شرکت کا پختہ ارادہ تھا لیکن علالت مانع رہی۔ راقم کی درخواست پر موصوف نے اپنے ارشادات ریکارڈ کرا دیئے نیز از راہِ کرم سوالات کے جوابات بھی عنایت فرمائے۔ یہ دونوں چیزیں قریبًا لفظ بلفظ کیسٹ سے منتقل کر کے پیش خدمت ہیں۔ — جمیل الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر صاحب کا کتابچہ یعنی میرے تصوّر فرائض دینی کا خلاصہ مجھے دیا گیا اسے میں نے بڑی توجہ سے پڑھا ہے اور یہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کی تمام تحریریں جو میثاق میں نکلتی رہی ہیں یا جو انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھی ہیں وہ بھی میری نظر سے گزری ہیں۔ ان سب کو پڑھنے کے بعد میرا مجموعی تاثر یہ ہے کہ ہمارے ہاں عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب کبھی کوئی شخص ایک تحریک شروع کرتا ہے تو اس کا نقطۂ آغاز یہ ہوتا ہے کہ جو کام کرنے میں جا رہا ہوں اس وقت تک کسی نے نہیں کیا اور اس رویّے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بجائے اس بات کے کہ وہ اپنے پیش رو اور اپنے اسلاف کے کارناموں کی تعریف و تحسین کرے اور ان کی ستائش

کرے اور ان کی روشنی میں وہ یہ بتلائے کہ اس نے اپنے لئے یہ راہ عمل متعین کی ہے اس کی بجائے وہ تنقید کرتا ہے اور اپنے لئے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ جو کام اب تک امت میں نہیں ہوا تھا وہ کرنے جارہا ہے ۔ یہ ایک عام روش ہے ان حضرات کی جو کہ تحریک اسلامی کے بانی ہیں اور اس کی ایک نہیں کئی ایک، مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں ۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے جب کہ وہ ایک ڈاکٹر تھے اور ان کا CAREER میڈیکل پریکٹیشنر کا تھا اور اس میں وہ بہت کامیاب تھے لیکن جب انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ انہیں اپنے آپ کو دین کی اور اسلام کی خدمت کے لئے اپنے خاص نظریئے کے ماتحت جو انہوں نے مطالعہ قرآن سے اخذ کیا ہے، وقف کردینا ہے تو انہوں نے باقاعدہ علوم اسلامیہ کی تحصیل کی اور بڑے غور و فکر اور دقت نظر سے اپنا لائحہ عمل طے کیا ۔ پھر تاریخ اسلام میں جو تحریکیں پیدا ہوئی ہیں ان کا انہوں نے بنظر غور مطالعہ کیا اور اس کے بعد پھر جب انہوں نے کام شروع کیا تو نہایت ہی عاجزی اور انکساری کے ساتھ کیا۔ اس میں کوئی تعلّی نہیں ہے اس میں کوئی انانیت نہیں ہے اس میں اپنی بالاخانی نہیں ہے ۔ تو یہ ایک خاص چیز ہے جس نے مجھے، ڈاکٹر صاحب کے متعلق بہت ہی متاثر کیا ۔ ڈاکٹر صاحب جو کچھ بھی فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں وہ کھلے دل سے لکھتے ہیں اور لوگوں کو پھر دعوت دیتے ہیں کہ اس پر اپنے خیالات کا اظہار کریں جو لوگ ان کے معترضین ہوتے ہیں ان کا وہ بڑی خوشدلی کے ساتھ بغیر کسی بیزاری کے اور ناگواری کے جواب دیتے ہیں اور ان کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں میں یہ عرض کردوں کہ مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب اور ڈاکٹر صاحب کی جو خط و کتابت ہوئی ہے اس میں ڈاکٹر صاحب کی زبان سے ایک تقریر میں یہ لفظ نکل گیا تھا کہ میں نیم مقلّد ہوں ۔ مولانا اخلاق حسین صاحب کو ناگوار گزرا اور انہوں نے اس پر اعتراض کیا ۔ لیکن میرا اپنا خیال یہ ہے کہ اگر ڈاکٹر صاحب نیم مقلّد نہ کہتے بلکہ یہ کہتے کہ میرا تقلید کے معاملے میں وہی رویّہ ہے جو کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا اور جو کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کا تھا تو بات نہ بگڑتی وہ محض نیم مقلّد کے معنی کچھ سے کچھ سمجھے تو چونکہ

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے آپ کو حنفی لکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے لکھا ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ میرا مسلک جو ہے وہ تلفیق بین المذاہب ہے۔ یعنی میں ہوں حنفی لیکن اگر میں کہیں دیکھتا ہوں کہ امام شافعیؒ کا مذہب قابل ترجیح ہے تو میں اس کو اختیار کر لیتا ہوں۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب کی کتابوں میں اس کی ایک نہیں دسیوں مثالیں ملیں گی۔ تو صرف ایک تعبیر کی وجہ سے بات کچھ سے کچھ ہو گئی ورنہ ڈاکٹر صاحب اگر یہ کہہ دیتے تو میرے نزدیک بالکل درست تھا بہر حال یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ ڈاکٹر صاحب میں بڑی عاجزی اور انکساری ہے۔ خلوص اور للہیت ہے اپنے بزرگوں کا احترام ہے وہ یہ بتلاتے ہیں کہ جو کام میں کرتے جا رہا ہوں وہ ہمارے بزرگ برابر کرتے رہے لیکن زمانے کے حالات کے زیر اثر بعض ایسی چیزیں پیش آئیں کہ وہ اپنے راستے سے ہٹ کر ایک دوسری طرف لگ گئے تو یہ ایک الگ چیز تھی اور یہ حقیقت بھی ہے کہ وہ چیزیں جاری نہیں رہ سکیں۔ اب ڈاکٹر صاحب نے ؎ "من از سرِ نو جلوہ دہم دار و رسن را" کے مصداق ——— اسی کام کو آگے بڑھانا شروع کیا ہے اور اس کے لئے مستقل ایک تنظیم انہوں نے قائم کی ہے۔ تنظیم کے سلسلے میں یہ عرض کرنا ہے کہ یہ ایک بڑی اہم بات ہے کہ اس میں انہوں نے تنظیم کے مقاصد میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بہت اہم درجہ دیا ہے۔ میرا اپنا ذاتی خیال یہ ہے کہ تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان دونوں کے درمیان عام وخاص کی نسبت ہے۔ یعنی جہاں کہیں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پایا جائے گا وہاں تبلیغ ضرور ہو گی۔ لیکن جہاں تبلیغ ہو وہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کتنے ہمارے مبلغین ہیں کتنے ہمارے عمائدین تبلیغ کے تبلیغ کرتے ہیں لیکن ان کے سامنے منکرات منہیات ہوتے رہتے ہیں اس کے لئے وہ کچھ بھی نہیں کرتے اور کچھ نہیں کہتے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر کا بھی قرآن نے حکم دیا ہے اور حدیث شریف میں تو سب سے زیادہ زور نہی عن المنکر پر ملتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے قرآن نے اس امت کو خیر امم کہا ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ

لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ اور اسی طرح فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۔ تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ جو نسبت ہمارے رسول کو ہمارے ساتھ ہے۔ وہی نسبت ہم کو دنیا کی تمام قوموں کے ساتھ ہے یعنی جو حضورؐ کا فریضہ تھا۔ جس طرح سے کہ آپؐ نے دینِ حق ہم تک پہنچایا اور ہم کو ایک قوم بنایا اب ہمارا فرض ہے کہ اُسی کو لے کر ہم آگے چلیں اور اُسے دوسروں تک ہم پہنچا دیں۔ تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یہ بہت ہی اہم چیز ہے جسے قرآن کریم میں بہت اہم کام قرار دیا گیا ہے۔ محض تبلیغ اس کے لئے کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لئے مستقل ایک تنظیم چاہیئے اور مجھے نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری پوری تاریخ اسلام میں قرونِ اولیٰ کے اندر تو اس کا کچھ نشان ملتا ہے کہ وہاں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے کچھ ادارے تھے لیکن اس کے بعد کہیں نظر نہیں آتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تبلیغ بھی ہوتی رہی درس قرآن بھی ہوتا رہا درس حدیث بھی ہوتا رہا علماء بھی پیدا ہوتے رہے لیکن سماج برابر بگڑتا رہا اسلامی سماج میں جو خرابیاں پیدا ہونی شروع ہوئیں وہ برابر پھیلتی رہیں اور یہاں تک کہ اس بگاڑ کا نتیجہ آج ہم دیکھ رہے ہیں اس کی بڑی وجہ اصل میں یہی ہے کہ ہم نے امر بالمعروف بالخصوص نہی عن المنکر جیسی چیز کو چھوڑ دیا ہے۔ لہٰذا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ایک اساسی اور بنیادی حیثیت سے اپنے پروگرام میں شامل کرنے کی بنا پر میں سمجھتا ہوں کہ یہ وہ چیز ہے جو اصل میں خود قرآن کا مطلوب اور مقصود ہے — اللہ تعالیٰ یہ جانتا ہے کہ یہ کام تمام مسلمان تو نہیں کر سکتے ہیں حالانکہ ہے تو سبھی کا فریضہ۔ اس بنا پر اس کو فرضِ کفایہ بنایا ہے فرض کفایہ کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے فرمایا کہ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ — یعنی تم سب تو نہیں کر سکتے اپنی اپنی جگہ پر تو ہر ایک کو کرنا ہے۔ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ — تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور اپنی رعیّت

کے متعلق اس سے سوال کیا جائے گا۔ باپ اپنی اولاد کے اوپر ہے استاد اپنے شاگردوں کے اوپر ہے یوں تو اپنی انفرادی زندگی میں ہر مسلمان راعی ہے ہی لیکن قرآن مجید وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ بھی کہتا ہے اُس کے معنی یہ ہیں کہ ایک ایسا ORGANIZATION ہونا چاہیئے مستقل طور پر ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو اپنے آپ کو وقف کردے اس کے لئے اور اُس کا کام کیا ہوگا! امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔ تو گویا یہ جو خود قرآن کے نزدیک بڑی اہم اور بنیادی چیز ہے ڈاکٹر صاحب نے اس کو اپنی تنظیم میں شامل کرکے ایک اتنا بڑا اہم اقدام کیا ہے جو کہ میرے خیال میں اب تک بہت کم لوگوں کے لئے قابل توجہ رہا ہے اور اس بنا پر میں سمجھتا ہوں کہ ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی اس میں اعانت کرے قدمے دامے درمے جس طرح سے بھی ہو اور مجھے توقع ہے کہ یقیناً انشاء اللہ تعالےٰ یہ ادارہ بہت ہی اہم اور مفید اور اسلام اور دین کے لئے بہت ہی زیادہ نفع بخش ثابت ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۰

سوال وجواب

سوال : مولانا میں سب سے پہلے تو آپ کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں کہ آپ نے اپنے قیمتی خیالات سے مستفید فرمایا۔ ہماری خواہش تو یہ تھی کہ آپ بذات خود بنفسِ نفیس محاضرات میں شرکت فرماتے لیکن آپ کی علالت کی وجہ سے یہ ممکن نہیں رہا مگر ہمارے لئے یہ بہت بڑی سعادت ہے کہ آپ کے خیالات اس طرح سے ٹیپ ہو گئے ہیں۔ چند چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں میں آپ کی رہنمائی کا طالب ہوں ایک چیز تو اشارۃً آپ کی اس گفتگو میں آگئی ہے کہ امت کے برپا کرنے کے مقاصد میں اہم ترین مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے گویا پوری اُمت کے سپرد یہ کام کیا گیا ہے اور امت بحیثیت امت جب اس کام سے غافل ہوجائے تو خود ہی قرآن رہنمائی فرماتا ہے کہ: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ تو اس سے یہ بات

معلوم ہورہی ہے کہ ایک گروہ تو ایسا ہونا قرآن کے نزدیک ضروری ہے لازم ہے کہ جو اسی فریضے یعنی دعوت الی الخیر کو انجام دے ۔ اس دعوت الی الخیر میں جملہ ایمانیات کی دعوت، اعمال صالحہ کی دعوت، تواصی بالحق کی دعوت، تواصی بالصبر کی دعوت سب شامل ہوہی جاتی ہیں پھر اس جماعت کا اہم کام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حصر کے اسلوب میں فرمایا ہے : اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ "یہی لوگ ہیں کہ جو کامیاب ہونگے" میں نے جہاں تک سمجھا ہے ۔ وہ یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا میں بھی کامیاب ہونگے اور آخرت میں تو ان شاء اللہ کامیابی اور اللہ کی رحمت ان کے شامل حال ہوگی اور اللہ کی رحمت کے سائے میں وہ انشاء اللہ جگہ پائیں گے ۔ لیکن ہمارے ہاں بعض حضرات جماعت سازی کو صحیح نہیں سمجھتے اور اس کی وجہ بھی ہے کہ کچھ تلخ تجربات ایسے ہیں کہ جو جماعتیں کسی اچھے کام کے لئے بنتی ہیں وہ آگے جاکر کوئی نہ کوئی ایسی صورت اختیار کرلیتی ہیں کہ جوامت میں تفرقے کا باعث ہوتی ہے ۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ امکان موجود رہتا ہے ۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ جب ہم کوئی کام اور خاص طور پر دین کا کام کرنے کے لئے اٹھیں گے تو کوئی نہ کوئی ہیئتِ اجتماعیہ ہمیں بنانی پڑے گی ۔ اب سڑک پر حادثات ہوتے ہیں تو لوگ حادثات کی وجہ سے سڑک پر چلنا تو نہیں چھوڑ دیتے ۔ انسان کی نیت اگر اللہ کی رضا کا حصول ہے اور وہ یہ کام خلوص کے ساتھ کر رہا ہے تو بہرحال جو لوگ اخلاص کے ساتھ کام کریں گے وہ تو انشاء اللہ، اللہ کے ہاں ماجور ہوں گے ۔ اب ایک امکان اور اندیشے کی وجہ سے ایسی جماعتوں کے متعلق تشویش میں مبتلا ہو جانا کیا آپ کے نزدیک صحیح ہوگا ؟

جواب : میرے نزدیک تو لوگ جماعت کے بنانے سے غالباً اس لئے ڈرتے ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ عام طور پر تجربہ یہ رہا ہے کہ جو جماعت بنتی ہے وہ آگے جاکر کے تحزّب کے اندر مبتلا ہو جاتی ہے تحزّب کے معنی یہ ہیں کہ ہم چوں ما دیگرے نیست ۔ لیکن یہ ضروری ہے وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ کا صاف مطلب یہ ہے کہ جماعت تو ہونی چاہیئے یقیناً ہونی چاہیئے لیکن اب جو جماعت

ہے ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ کیا اس سے تحزب کا خطرہ ہے! کیا وہ اپنے اندر کوئی ایسی انانیت پیدا کرے گی کہ وہ یہ کہے گی کہ راہِ حق پر بس ہم ہی ہیں دوسرے اس پر نہیں ہیں تو مجھ کو اس بات کا یقین ہے کہ ہمارے ڈاکٹر صاحب قبلہ جس طرح تنظیم اسلامی کا کام لے کر چل رہے ہیں اور جو خود انکی اپنی فطرت ہے جو خود ان کی افتادِ طبع ہے جو خود ان کا مزاج اور ان کی طبیعت ہے وہ ہم کو اس بات کا یقین دلاتی ہے کہ انشاء اللہ تعالےٰ یہ جماعت تحزب سے الگ تھلگ رہے گی اور اپنا کام برابر اسی طرح پر کرتی رہے گی۔ پھر میرے خیال میں جماعت تو ہونا ضروری ہے یہ یقینی بات ہے کہ بغیر ORGANIZATION کے کام نہیں ہوتا - ORGANIZATION تو ضروری ہے لازمی ہے لیکن ORGANIZATION سے جو لوگ عام طور پر کچھ مشتبہ ہوتے ہیں وہ اس وجہ سے ہوتے ہیں اور اگر اس کا ان کو اطمینان ہو جائے کہ نہیں یہ جماعت مخلصوں کی جماعت ہے۔ یہ جماعت مؤمنین قانتین کی جماعت ہے۔ یہ جماعت ان لوگوں کی ہے جن کے اندر کسی قسم کا کوئی تحزب نہیں ہے اور جس کو کہ قرآن نے خود CONDEMN کیا ہے اور فرما دیا ہے: كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۔ یہ بات واضح ہے کہ جو شخص خود قرآن کی تعلیمات کو اس طرح پر عام کر رہا ہو۔ وہ اس سے بے خبر نہیں ہو سکتا ہے کہ تحزب سے بچنا بہت ضروری ہے اور اب تک جو کچھ بھی ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے۔ اس سے ہرگز بھی یہ بُو پیدا نہیں ہوتی کہ کہیں جا کر کے ان کی تنظیم تحزب کا شکار ہو جائے گی۔

سوال: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ الحمدللہ ڈاکٹر صاحب کو اللہ نے یہ توفیق عطاء فرمائی ہے۔ کہ انہوں نے جب تنظیم کے قیام کا فیصلہ کیا تو بہت واضح طور پر اس بات کا اعلان کر دیا کہ ہرگز ہرگز ہماری جماعت الجماعۃ کے حکم میں نہیں ہے۔ الجماعۃ تو یہ پوری امت ہے اور ہماری جماعت میں شامل ہونا اسلام میں شامل ہونا نہیں ہے بلکہ اسلام کے عائد کردہ فرائض کو اجتماعی طور پر ادا کرنے کیلئے ہم جمع ہو رہے ہیں اسی طرح اگر کسی کو مجھ پر میری جماعت اور تنظیم پر اعتماد نہ رہے تو اس کا علیحدہ ہو جانا ہرگز ہرگز اسلام سے باہر نکلنا نہیں ہے۔ تو

یہ وضاحتیں ڈاکٹر صاحب نے ایک بار نہیں کئی بار کی ہیں اور ہماری مطبوعات میں موجود ہیں اسی طرح تنظیم کے رفقاء کو ان کی ہدایت ہے کہ جو جس مسلک پر ہے اس پر وہ شرح صدر کے ساتھ عمل کرے تو ان وضاحتوں کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے - ؟

جواب : یہی وہ چیزیں ہیں جو کہ اس بات کی ضمانت ہیں کہ یہ جماعت ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے (مراد ہے تحزّب ، بالکل محفوظ رہے گی -

سوال : مولانا ایک اور مسئلہ ہے جس میں رہنمائی مطلوب ہے کہ عام طور پر ہمارے ہاں یا تو ادارے اور انجمنیں ہیں ، جو ASSOCIATIONS کی طرز پر محدود کام کر رہے ہیں - کوئی تعلیمی کام کر رہا ہے اور کوئی تحقیقی کام کر رہا ہے لیکن اگر کوئی انقلابی کام پیش نظر ہو جس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سرفہرست ہو تو ظاہر بات ہے کہ اس کے لئے تو جماعت بنے گی تو اس کی جماعتی ہیئت کے لئے ایک طریقہ تو وہ ہے جو ہم نے مغرب سے اخذ کیا ہے یعنی اس کے کچھ ممبرز ہوں پھر وہ ووٹوں سے اپنا کوئی سربراہ یا صدر منتخب کریں ہم جب تاریخ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں اس طرز کی کوئی دینی تنظیم سلف میں نظر نہیں آتی بلکہ ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے میں کوئی داعیہ پیدا کرتا ہے وہ اٹھتا ہے اور لوگوں کو بلاتا ہے کہ میں اس کام کے لئے اٹھا ہوں جیسے کہ سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہوئے انہوں نے دعوتِ جہاد دی - جن لوگوں نے بیعت کی وہ ان کی جماعت میں شامل ہو گئے تو ہمیں سلف سے یہی ملتا ہے کہ اس طرز پر وہ جماعت قائم ہوئی ہے جو خالص اسلام کے لئے بن رہی ہو - انتخابی اور صدارتی طرز کی تنظیم ہمیں سلف میں نظر نہیں آتی - کیا آپ اتفاق فرمائیں گے کہ ایسی تنظیم جو اعلاءِ کلمۃ اللہ یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے بنے وہ بیعت کی بنیاد پر بنے ؟

جواب : جی ہاں ، جماعت کے جو معنی ہیں یعنی جو جماعت ہم بنائیں گے یقیناً اس کا ایک امیرِ جماعت ہوگا اور امیرِ جماعت پر اعتماد کر کے آپ کو اپنا کام کرنا ہوگا تو ویسے اعتماد کی شکل کیا ہے ! اعتماد کی شکل یہی ہے کہ بیعت کی جائے اور

میرے خیال میں تو ہر امیر کو اس بات کا حق حاصل ہے۔ امر کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ جو اس معاملے میں رہنمائی کر رہا ہے وہ سب کے لئے قابل قبول ہے تو اس بنا پہ تو میرے نزدیک اس میں کوئی خرابی نہیں ہے بلکہ یہ تو لازمی ہو جاتا ہے۔

سوال : مولانا جزاک اللہ۔ آپ نے یہ مسئلہ صاف کر دیا اب ایک مسئلہ یہ ہے کہ بعض ہمارے اہل علم اس بات پہ اشکال پیدا کرتے ہیں کہ بیعت صرف خلافت کے لئے ہو سکتی ہے یا پھر جو بیعت رائج ہے وہ صرف بیعت ارشاد ہے۔ وہ لی جا سکتی ہے۔ بیعتِ سمع و طاعت لینے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے جبکہ ڈاکٹر صاحب کا موقف یہ ہے کہ ہم نے قرآن کا اور اسلام کا اور سیرت مطہرہؐ کا اور پوری تاریخ کا جو مطالعہ کیا ہے اور معروضی مطالعہ کیا ہے تو یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ایک بیعت تو وہ ہے کہ جب اسلامی نظام قائم ہو تو خلیفہ اپنی ذات میں کیسا ہی کیوں نہ ہو لیکن اگر شریعت کے مطابق عدالتیں قائم ہیں شریعت کا نفاذ ہے اسی کے مطابق انفرادی و اجتماعی معاملات چل رہے ہیں تو اس وقت تو صحیح ہے کہ سربراہ کی بیعت ہو گی اور اس کے درمیان میں کوئی شخص بھی اپنی بیعتِ سمع و طاعت لینے کے لئے کھڑا ہو گا تو وہ خروج کی تعریف میں آ جائے گا الا یہ کہ وہ شرائط جو فقہاءؒ نے عائد کی ہیں وہ پوری ہو رہی ہوں جو بہت مشکل ہے لیکن جب خلافت کا ادارہ بالکل درہم برہم ہو جائے اور کسی ملک میں بھی اسلامی نظام اور اسلامی حکومت اور شریعت کا نفاذ معمولی شکل میں بھی نظر نہ آئے تو اس وقت اس ملک کے اندر پُرامن طریقے سے اگر اسلامی نظام کو قائم کرنے کے لئے کوئی شخص بیعتِ سمع وطاعت لیتا ہے تو آیا اس پہ اُن احادیث کا اطلاق ہوتا ہے؟ میرے ناقص مطالعے کے مطابق تو ان کا اطلاق صرف اس وقت ہوتا ہے جب کہ خلافت کا ادارہ اور اسلامی نظام کا ادارہ بالفعل قوتِ نافذہ کے ساتھ اس ملک میں نافذ و رائج ہو اس سلسلے میں کچھ رہنمائی فرمائیں۔

جواب : بات یہ ہے کہ بیعت کے تو معنی یہ ہیں کہ ہم نے ایک شخص کو اپنا امیر بنا لیا ہے وہ ہمارا سربراہ ہے اس معاملے میں اور اس کے لیے جو کچھ بھی

وہ ہم سے کہے گا قرآن و سنت کی روشنی میں تو ہم اُس کی بات مانیں گے دیکھئے یہ تو ایسا ہے کہ خلیفہ سے بیعت ہو رہی ہے لیکن جناب عالی قرآن مجید[1] نے کہا کہ لَا طاعۃَ الا فی معروف — کیسی ہی آپ نے بیعت کر لی ہو۔ لیکن اگر وہ کوئی ایسی بات کہہ رہا ہے جو کہ معروف کے خلاف ہے تو مت کرو۔ صاف طور پہ بالکل کھلی بات ہے۔ اچھا ویسے مجھے معلوم ہے کہ ایک مرتبہ پنجاب میں مولانا عطأ اللہ شاہ بخاری کو امیر شریعت بنایا گیا تھا اور کسی اور نے نہیں بلکہ خود میرے استاد محترم حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی حالانکہ ہم لوگوں کو تعجب بھی ہوا کہ شاہ صاحب عطا اللہ شاہ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں لیکن شاہ صاحب نے ان کو مانا۔ گویا کوئی بھی تنظیمی کام اس کے بغیر چل ہی نہیں سکتا ہے۔ طاعت کے بغیر چل ہی نہیں سکتا ہے۔ فوج بھی جو ہوتی ہے اس کا ایک کمانڈر انچیف ہوتا ہے اس کے ماتحت ہوتی ہے اور وہ واجب الاطاعت ہوتا ہے۔ تو بیعت ایک اصطلاحی لفظ ہے بیعت کے معنیٰ بالکل یہ نہیں ہیں کہ ہر بات مانی جائے گی۔ بلکہ مجھے اس کا افسوس ہوتا ہے کہ تصوف میں جا کر بیعت کے معنیٰ بالکل بگڑ گئے یعنی ایک وقت وہ تھا جب بیعت کا مفہوم یہ تھا کہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں اور آپ ہمارے مرشد ہیں ہمارے رہنما ہیں لیکن اس میں آگے بڑھ کر اتنا غلو کیا گیا کہ مرشد کے حکم کے برخلاف اگر اسلام کا کوئی حکم ہے تو لوگوں نے اس کی پرواہ نہیں کی (الّا ماشأ اللہ) حالانکہ یہ چیز بالکل غلط ہے۔ وہ تو حضرت عمرؓ تک نے فرمایا کہ دیکھو تم نے اگر میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے لیکن اگر میں غلطی کروں تو فوراً تم مجھے مطلع کر دینا اور ایسے دسیوں بیسوں واقعات ہیں وہ تو جب حضورؐ نے فرما دیا کہ خواہ کتنا ہی بڑا تمہارا کوئی امام ہو اگر معروف کے خلاف وہ تم کو کوئی حکم دے رہا ہے تو اس کی اطاعت تمہارے اوپر ضروری نہیں ہے بالکل لا طاعۃ اس کی اطاعت کرنی ہی نہیں ہے

---

[1] راقم کا خیال ہے کہ یہاں مولانا حدیث شریف فرمانا چاہتے تھے لیکن لغزش زبان کے باعث قرآن مجید کا لفظ ادا ہو گیا (ج ر)

ایک طرف اسلام، جو بیعت کرنے والے ہیں ان کو آزادی دیتا ہے کہ تم خود اس کو دیکھتے رہو امیر کو اور دوسری طرف یہ کہ قرآن اور سنت کے تعلیمات کے دائرے کے اندر رہ کر جو امر بالمعروف کر رہا ہے یا نہی عن المنکر کر رہا ہے اسکی اطاعت تمہارے اوپر ضروری ہو گی یہ دونوں چیزیں اگر ہوں تو اس کے اندر کوئی حرج نہیں ہے بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ کوئی تنظیم اس کے بغیر چل ہی نہیں سکتی جب تک کہ ایک شخص کے اوپر آپ مکمل اعتماد نہ کریں اور اس کو امیر نہ بنائیں اور امیر بنانے کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو لہذا اس سے لوگوں کا بھڑکنا صرف اسلئے ہے کہ ہماری تاریخ اسلام میں اس بیعت کو بہت غلط معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے اگر صحیح معنیٰ میں استعمال کیا جائے تو بغیر اس کے کوئی تنظیم چل ہی نہیں سکتی یہ تو ضروری ہے ۔

س : مولانا ایک بات اور ہے کہ عام طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ دین کا کام کرنے اور درس قرآن دینے کا حق صرف اس شخص کو حاصل ہے جو کسی دارالعلوم سے باقاعدہ سند یافتہ ہو اور کسی بزرگ ہستی کا فیض یافتہ ہو۔ ڈاکٹر صاحب پر عام طور پر یہ اعتراض وارد کیا جاتا ہے ۔ جبکہ ایک شخص خود محنت کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کو فہم دیتا ہے ۔ ظاہر بات ہے کہ جس کو بھی ذہانت ملتی ہے وہ اللہ کی ودیعت کردہ ہوتی ہے انسان کی اپنی خود تو پیدا کردہ نہیں ہوتی ۔ اب اگر وہ اپنی ذہانت و فطانت کو اللہ کے دین کے لئے صرف کرتا ہے محنت کرتا ہے مطالعہ کرتا ہے لوگوں کی خدمت میں جاتا ہے غور و فکر اور افہام و تفہیم سے ایک رائے بناتا ہے اور اس کا جو اپنا اندرونی جذبہ ہے ۔ وہ اُسے اس بات پر ابھارتا ہے کہ میرا دین مجھ سے یہ مطالبہ کرتا ہے اور پھر وہ دین کی خدمت کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیتا ہے لوگوں کو اس طرف دعوت دیتا ہے ۔ اس پر یہ اشکال اور یہ اعتراض کہ وہ کسی دارالعلوم کا سند یافتہ اور فارغ التحصیل نہیں ہے اور کسی سے اس نے فیض حاصل نہیں کیا یعنی اپنا تزکیہ نہیں کرایا اُسے درس قرآن دینے اور بیعت لینے کا حق نہیں ہے تو آیا دین

کے کام کے لئے کیا یہ شرائط قرآن وسنت سے عائد ہوتی ہیں یا یہ لوگوں نے بطور احتیاط خود عائد کی ہوئی ہیں - آپ اس میں کیا رہنمائی فرمائیں گے - ج

جواب : سوال یہ ہے کہ جب تک یہ مدارس قائم نہیں ہوئے تھے اس وقت تک جو حضرات درس قرآن کا کام کرتے تھے درس حدیث کا کام کرتے تھے وہ کس طرح پر کرتے تھے ! ان کو کونسی اتھارٹی حاصل تھی !! بات یہ ہے کہ وہ تو ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے مقصود تو نہیں ہے اور اگر آپ یہ قید لگادیں کہ وہ کسی مدرسے کا فارغ ہوگا - کسی دارالعلوم کا سند یافتہ ہوگا جہاں اس نے باقاعدہ استادوں سے تعلیم پائی ہوگی صرف اُسی کو حق حاصل ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ ایک نہیں کئی ایک بڑے بڑے نامی گرامی جو علماء تھے جنہوں نے بڑھ کر کام کئے ہیں وہ بھی سب نکل جائیں گے اور خارج ہو جائیں گے - وہ تو صرف یہ ہے کہ آپ کو دیکھنا یہ ہے کہ جو کچھ بھی وہ لکھ رہا ہے جو کچھ بھی وہ کہہ رہا ہے اس پر آپ اعتراض کیجئے - لیکن یہ کہ خود وہ ذاتی طور پر کسی مدرسے سے فارغ التحصیل نہیں ہے تو یہ تو کوئی چیز نہیں ہے یہ تو کوئی معیار نہیں ہے بہت سارے خدا کے بندے ایسے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد سے چند سبق پڑھے اور جا کر بیٹھ گئے خود ابوالکلام آزاد کے متعلق آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ کونسے مدرسے سے فارغ التحصیل تھے ! مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے متعلق آپ جانتے ہیں کہ کونسے مدرسے سے فارغ التحصیل تھے ! تو ایک نہیں کتنی ہی آپ کو مثالیں ملیں گی کہ انہوں نے ابتدائی کچھ کتابیں پڑھیں اور اس کے ذریعے پھر کچھ مطالعہ کیا اور یہ کیا اور وہ کیا اور پھر جہاں تک کہ ڈاکٹر صاحب کا تعلق ہے تو ڈاکٹر صاحب نے تو صاف طور پر لکھا ہے کہ وہ برابر شروع سے اس میں لگے ہی رہے - برابر لگے رہے پڑھتے رہے لوگوں سے فیض حاصل کیا اُن سے پوچھا غور کرتے رہے اور پھر جہاں تک کہ ڈاکٹر صاحب کی تحریروں کا تعلق ہے وہ عالمانہ تحریریں ہیں اور بتلاتی ہیں کہ ان کی استعداد علمی جو ہے وہ پختہ ہے اور اس کی روشنی میں وہ قرآن مجید کی جو تشریح کرتے ہیں اور جو تقریریں کرتے ہیں وہ میں سمجھتا ہوں کہ بعض اچھے اچھے علماء ہمارے اس طرح سے نہیں کر سکتے ہیں -

لہذا یہ تو بہت ہی ناقص قسم کا اعتراض ہے۔ یہ تو محض اعتراض برائے اعتراض والا معاملہ ہے۔

سوال: مولانا جزاک اللہ۔ آپ نے اس مسئلہ میں بڑی مفید رہنمائی عطا فرمائی ہے۔ مولانا آپ نے شروع میں مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہ کی خط و کتابت کا حوالہ دیا تھا جو "میثاق" میں شائع ہوئی ہے۔ تو ڈاکٹر صاحب نے اس کی جو وضاحت فرمائی ہے وہ بھی آپ کی نظر سے گزری ہوگی (اس موقع پر مولانا نے فرمایا۔ جی ہاں! وہ میں نے پوری پڑھی ہے) تو الحمد للہ مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب بھی اس سے مطمئن ہوگئے پھر یہ کہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ جو ماہنامہ بینات کراچی کے مدیر اعلیٰ ہیں انہوں نے بھی الحمد للہ اس پر اظہارِ اطمینان کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج آپ نے جو رہنمائی فرمائی ہے۔ اس کے متعلق میں ان شاء اللہ ڈاکٹر صاحب سے عرض کروں گا کہ وہ غور فرمائیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے جو مسلک اختیار کیا تھا وہ ڈاکٹر صاحب جیسے شخص کے لئے بہت محفوظ اور مامون نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں کیا آپ ڈاکٹر صاحب کے لئے کوئی مزید رہنمائی عطا فرمائیں گے؟

جواب: اگر کوئی تعلّی نہ ہو تو میں خود یہ عرض کر سکتا ہوں کہ خود میرا مسلک بھی یہی ہے۔ چنانچہ میں نے جو مضامین لکھے ہیں۔ ان میں کئی جگہ امام شافعیؒ کے مسلک کو ترجیح دی ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک پر۔ تو تلفیق بین المذاہب خاص طور پر موجودہ زمانہ میں بہت ضروری ہے۔ اس کے بغیر تو ہم چل ہی نہیں سکتے۔ اس دور میں کسی خاص ایک امام کا دامن پکڑ کر چلتے رہیں اور اِدھر اُدھر نہ دیکھیں۔ دوسرے ائمہ فقہاء کی اجتہادی آراء سے استفادہ نہ کریں تو یہ بالکل ناممکن ہے اگر آپ کو دنیا کے موجودہ مسائل حل کرنے ہیں تو لازمی طور پر آپ کو تلفیق بین المذاہب پر عمل کرنا ہوگا۔

جزاک اللہ۔ مولانا میں آپ کا انتہائی ممنون ہوں اور یہ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحتِ کاملہ عطا فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ آپ کا جذبۂ تعاون

علی البر و التقویٰ ہے کہ اس علالت اور ضعف کے باوجود آپ نے ہمیں وقت عنایت فرمایا اور اپنے ارشاداتِ عالیہ نیز اس عاجز کے سوالات کے مفصل جوابات ریکارڈ کرائے - آخر میں آپ سے درخواست ہے کہ آپ ہمارے لئے اور ڈاکٹر صاحب کے لئے دُعا فرماتے رہیئے - خاص طور پر ڈاکٹر صاحب آپ جیسے بزرگوں کی دُعاؤں کے بہت محتاج ہیں چونکہ جب کوئی شخص دینی خدمت کے لئے کھڑا ہوتا ہے - دعوت دیتا ہے تو شیطان اس پر جو جال ڈالتا ہے وہ عجب کا تکبر کا اور انانیت کا ڈالتا ہے - دُعا کیجئے کہ اللہ تعالےٰ ان مہلکات سے ڈاکٹر صاحب کو محفوظ رکھے -

راقم کی اس درخواست پر مولانا مدظلہ نے فرمایا :

ڈاکٹر صاحب کے لئے اور آپ لوگوں کے لئے میں کیا ہوں - میں تو یقین رکھتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب اور ان کے ساتھیوں کے لئے سمندر کی مچھلیاں اور آسمان کے فرشتے دعا کرتے ہیں - بہرحال میری دعائیں اور نیک تمنائیں آپ حضرات کے ساتھ ہیں -

ماہنامہ حکمت قرآن ـــــ لاہور
دعوتِ رجوع الی القرآن کا داعی و نقیب
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا ترجمان

میثاق کے سالانہ معاونین کی خدمت میں حکمت قرآن کا تازہ شمارہ ارسال ہے، جو حضرات میثاق کے ساتھ ساتھ حکمتِ قرآن کے پہلے سے سالانہ معاون ہیں، وہ اپنے حلقہ میں اس شمارہ کے ذریعہ ایک نئے سالانہ خریدار کا اہتمام فرمائیں جبکہ وہ حضرات جو حکمتِ قرآن کے سالانہ معاون نہیں ہیں وہ خود ہی تعاون کا ہاتھ بڑھائیں -

اس کے ساتھ تعاون تعاون علی الخیر کے زمرہ میں آئے گا جس کا اجر اللہ تعالےٰ کے یہاں سے انشاء اللہ تعالےٰ نصیب ہوگا -

کیا ایرانی انقلاب اسلامی انقلاب ہے؟

ڈاکٹر اسرار احمد
کا خطاب (۲۸ ستمبر ۱۹۸۴ء)

(گذشتہ سے پیوستہ)

بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ

ائمہ معصوم کے متعلق اہلِ تشیع کے مزید عقائد

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ شیعوں کے عقیدے کے مطابق حکومت کا حق صرف اور صرف ائمہ معصومین کے لیے ہے اور یہ ائمہ انبیاء علیہم السلام کی طرح قطعی معصوم ہوتے ہیں جیسے کہ "اصولِ کافی" میں آٹھویں امام محمد نقی علی بن موسیٰ رضا رح کے ایک طویل خطبہ میں ان سے یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ "امام ہر طرح کے گناہوں اور عیوب سے مبرّا ہوتا ہے۔" اور یہ کہ "امام معصوم ہوتا ہے۔ اللہ کی خاص تائید و توفیق اس کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ اللہ اس کو سیدھا رکھتا ہے۔ وہ غلطی، بھول چوک اور لغزش سے محفوظ و مامون ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معصومیت کی اس نعمت کے ساتھ اس کو مخصوص کرتا ہے تاکہ وہ اللہ کے بندوں پر حجت ہو اور اس کی مخلوق پر شاہد ہو۔" معاملہ یہیں تک نہیں رہتا بلکہ اثنا عشری شیعوں کے بہت بڑے عالم و مجتہد علامہ باقر مجلسی کہتے ہیں کہ "امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے۔" اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

ایران کا موجودہ "انقلاب" اور جنابِ خمینی کی شخصیت

مَیں نے اب تک شیعہ مکتبِ فکر اور ان کے عقائد کے متعلق جو کچھ عرض کیا ہے وہ زیادہ تر شیعہ متقدمین مجتہد حضرات کے حوالے سے عرض کیا ہے۔

اب ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ جنابِ خمینی صاحب کے معتقدات و تصوّرات کیا ہیں ؟ یہ سمجھنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ موجودہ ایران کی تبدیلی کو "اسلامی انقلاب" قرار دینے کے لیے چھ سات سالوں سے پوری دنیا میں زبردست پروپیگنڈا ہو رہا ہے۔ جنابِ خمینی کا image قائم کرنے والے وسیع پیمانے پر پروپیگنڈے کی کوئی نظیر مشکل ہی سے ملے گی۔ دنیا کو یہ باور کرایا جارہا ہے کہ "ایران کا انقلاب" فی الواقع "اسلامی انقلاب" ہے۔ چونکہ ایران کی موجودہ تبدیلی میں بلاشبہ جنابِ خمینی کو اہم ترین قائد و رہنما کا مقام و مرتبہ حاصل ہے اس لیے ہمیں معروضی طور پر سمجھنا ہوگا کہ موصوف کیا معتدل مزاج کے حامل شیعہ ہیں یا غالی شیعہ ہیں — جہاں تک پروپیگنڈے کا تعلق ہے تو بڑے زور شور سے کہا جا رہا ہے کہ اسلام میں شیعہ سنّی کی کوئی تفریق و تقسیم نہیں سب مسلمان ہیں۔ اور نعرے لگائے جارہے ہیں کہ "ثورة اسلامية لا شيعية ولا سنية" لہٰذا ضروری ہے کہ جنابِ خمینی کے معتقدات کو اچھی طرح سمجھا جائے۔ اس کے لیے سب سے زیادہ ممدّ و معاون موصوف کی اپنی تصانیف ہی ہوسکتی ہیں جن میں موصوف کی کتاب "الحكومة الاسلامية" کو کلید کا مقام حاصل ہے اور موجودہ ایرانی انقلاب میں اس کتاب نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ اس کتاب کے مختلف ابواب ہیں۔ ان میں سے ایک باب کا عنوان : "الولاية التكوينية" ہے جس میں ان کے حقیقی عقائد کے متعلق صحیح معلومات حاصل ہوسکتی ہیں۔ چنانچہ میں چند باتیں نوٹ کرکے لایا ہوں۔ انہیں گوشِ ہوش سے سُنیے اور اندازہ لگائیے کہ ایران کا موجودہ انقلاب کس حد تک اسلامی ہے۔!

ائمہ کی تکوینی حکومت | اس ذیلی عنوان کے تحت جنابِ خمینی رقمطراز ہیں :

فان للامام مقاما محمودا و درجة سامية وخلافة تكوينية تخضع لولايتها جميع ذرات الكون ص ۵۲	"امام کو وہ مقام محمود اور وہ بلند درجہ اور ایسی تکوینی حکومت حاصل ہوتی ہے کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کے حکم و اقتدار کے سامنے سرنگوں و تابع فرمان ہوتا ہے"

ائمہ کا مقام و مرتبہ سب سے بلند و ارفع ہے۔ اسی باب میں تحریر فرماتے ہیں :

وان من ضروريات مذهبنا	"اور ہمارے مذہب (شیعہ اثنا عشریہ)

ان لنا مقاما لا یبلغہ ملک مقرب ولا نبی مرسل ۵۲

کے ضروری اور بنیادی عقائد میں سے یہ عقیدہ بھی ہے کہ ہمارے ائمہ معصومین کو وہ مقام اور مرتبہ حاصل ہے جس تک کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل بھی نہیں پہنچ سکتا۔

ائمہ سہو وغفلت سے محفوظ ومنزّہ ہیں

دنیا مانتی ہے کہ سہو ونسیان اور غفلت کا امکان بشریت کے لوازم میں سے ہے۔ انبیاءؑ بھی اس سے محفوظ نہیں لہذا قرآن مجید میں انؑ کے سہو ونسیان کے واقعات کا ذکر ملتا ہے۔ البتہ نبی اور رسول کو اللہ تعالیٰ اس پر مطلع فرما دیتا ہے۔ لیکن جناب خمینی علی الاطلاق ائمہ معصومین کو اس سے منزّہ قرار دیتے ہیں جو خالصۃً اللہ کی صفت ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

لانتصور فیہم السہو والغفلۃ الحکومۃ الاسلامیہ ص۹۱

"ان کے بارے میں سہو وغفلت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔"

ائمہ تخلیقِ عالم سے پہلے انوار وتجلیات تھے

کتاب وسنت کی تعلیمات سے جو شخص تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہے، وہ اس بات کو جانتا اور سمجھتا ہے کہ عالمِ بشریت میں بلند، اعلیٰ وارفع مقام صرف انبیاء ومرسلین کا ہے اور انؑ سب کے سردار ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ کسی اُمتی کا مقام بھی ان کے برابر نہیں ہوسکتا۔ حتیٰ کہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہ مرتبہ نہیں ہوسکتا لیکن جنابِ خمینی صاحب شیعی روایات کے حوالہ سے اپنی کتاب میں رقمطراز ہیں:

وبموجب مالدینا من الروایات والاحادیث فان الرسول الاعظمؐ والائمۃؑ کانوا قبل ھذا العالم انوارا فجعلھم اللہ بعرشہ محدقین وجعل لھم من المنزلۃ

"اور جو روایات واحادیث یعنی (شیعی روایات واحادیث ہمارے سامنے ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اعظمؐ اور ائمہؑ اس عالم کے وجود میں آنے سے پہلے انوار وتجلیات تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے عرش معلیٰ کے گرداگرد کر دیا اور

والمنزلفی مالایعلمہ الا اللہ

ص ۵۲

ان کو وہ مرتبہ اور مقام عطا فرمایا جس کو بس اللہ ہی جانتا ہے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

ائمہ کی تعلیمات دائمی طور پر واجب الاتباع ہیں

جناب خمینی صاحب نے اسی اپنی کتاب "الحکومتہ الاسلامیہ" میں ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ ائمہ کی تعلیمات قرآنی تعلیمات کے مانند ہیں اور ان کے احکام کی تنفیذ اور اتباع تمام انسانوں پر قیامت تک واجب ہے

ان تعالیم الائمۃ کتعالیم القرآن لاتخص جیلا خاصا و انما ھی تعالیم للجمیع فی کل عصر و مصر والی یوم القیامۃ یجب تنفیذھا واتباعھا۔

ص ۱۱۳

" ہمارے ائمہ معصومین کی تعلیمات قرآنی تعلیمات ہی کے مثل ہیں وہ کسی خاص طبقے کے اور خاص دور کے لوگوں کے لیے مخصوص نہیں ہیں۔ وہ ہر زمانے اور ہر علاقے کے تمام انسانوں کے لیے ہیں اور تا قیام قیامت ان کی تنفیذ اور ان کا اتباع واجب ہے۔"

میں یہ چند مثالیں لوٹ کر کے لایا تھا ــــ ہمارے یہاں اس مفہوم کی ایک کہاوت ہے کہ دیگ کا ایک چاول پوری دیگ کی کیفیت معلوم کرنے کے لیے کافی ہے۔ لہٰذا ان چند مثالوں سے جناب خمینی صاحب کے معتقدات، نظریات اور تصورات کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید اور سنتِ رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کے مطابق دائمی طور پر مطاع مطلق صرف اللہ ہے ــــ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ کے نمائندے کی حیثیت سے ہے اور یہ بھی دائمی ہے۔ اتباع مطلق بھی صرف اور صرف آپؐ کا ہوگا۔ دوسروں کی اطاعت اور اتباع اللہ کی اطاعت اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع کے تحت ہوگی نہ کہ آزاد ــــ قرآن مجید نے اس بات کو متعدد مقامات پر متعدد اسالیب سے واضح طور پر بیان کیا ہے۔ سب کا احاطہ تو ممکن نہیں چند وضاحتیں پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں ــــ پہلے اطاعت و اتباع رسول کے متعلق چند باتیں سُن لیجیے ــــ

نبی اکرمؐ کی اطاعت اور آپؐ کا اتباع

سب سے پہلے تو صرف اطاعت و اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جان لیجئے کہ اس ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مقام و مرتبہ ہے اسے ہر وہ شخص بخوبی جانتا ہے جس کا دین کی تعلیمات سے تھوڑا سا بھی تعلق ہو۔ پھر بھی چند آیات اور ایک حدیث سُنا کر آگے چلوں گا۔ سورہ نساء میں فرمایا: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (سورہ نساء) — اور وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (سورۃ الحشر) — اور قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (سورہ آل عمران) — پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا: "لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ" — میرے محدود مطالعہ کے مطابق اہلِ تشیع کی مذہبی کتابوں میں رسول کی اطاعت اور اتباع کا ذکر اگر کہیں آیا ہے تو سرسری طور پر آیا ہے۔ زیادہ تر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر کے ان روایات کا حوالہ ملتا ہے جن میں امامتِ معصومہ کا کسی طور پر ذکر و حوالہ ہو — اہلِ سنت کے قابلِ اعتماد محدثین عظام اور فقہاء کرام رحمہم اللہ نے جرح و تعدیل کے بعد ان کو موضوع قرار دیا ہے — ایسی روایات کو حضرت باقر اور حضرت جعفر رحمہما اللہ سے منسوب کیا جاتا ہے اس کو بھی ہمارے اہلِ علم نے باطل ٹھہرایا ہے۔

اطاعت کے مزید نصوص قرآنیہ

پھر قرآن مجید میں اَطِيْعُوا اللّٰهَ اور اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کا حکم اتنی تکرار سے آیا ہے کہ مجھے اس کے دہرانے کی حاجت نہیں۔ پھر اطاعتِ رسول کے متعلق یہ قاعدہ کلیہ بیان فرمایا گیا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ۔ اسی قاعدہ کلیہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ فرما کر خاص کیا گیا: وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔ تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ یہاں "الرسول" معرفہ ہے اور اس سے قطعی طور پر حضورؐ کی ذاتِ گرامی مراد ہے۔ سورہ نساء کی آیت نمبر ۵۹ پر تدبر کیا جائے تو اسلام میں اطاعت کا مکمل ضابطہ موجود ہے۔ فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اٰمَنُوٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔" اے اہلِ ایمان اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور اپنے میں سے صاحبِ امر کی۔" یہاں "مِنْکُمْ"۔ خصوصی توجہ کا متقاضی ہے۔ تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ اور رسول کے ساتھ اطاعت کا لفظ استعمال فرما کر یہ بات بطور نص واضح فرمائی گئی ہے کہ ان کی تو اطاعت مطلق فرض ہے البتہ جو تم میں سے اولوالامر ہوں ان کی اطاعت مطلق نہیں ہوگی بلکہ اللہ اور رسول کی اطاعت کے دائرے کے اندر ہوگی ان کا حکم واجب الاطاعت ہوگا۔ ساتھ ہی یہاں "مِنْکُمْ"، فرما کر اولوالامر کے دائرے کو اتنی وسعت عطا فرما دی کہ پوری امت اس کے احاطہ میں آگئی۔ پھر اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ کے قرآن کے اصول کے تحت اس کو اتنا وسیع فرما دیا کہ مسلمانوں کا کوئی شخص بھی مسلمانوں کی ہیئتِ اجتماعیہ۔ خلافت و حکومت کا سربراہ، امیر، امام اور خلیفہ بن سکتا ہے۔ کسی نسل میں اس کی قید "تاقیامِ قیامت اس لفظ مِنْکُمْ نے ختم کر دی ہے۔ یہ ہے اسلام کا عمومی خلافت کا تصور۔ اور یہ تصور اسلام کے بنیادی "معتقدات میں شامل ہے جبکہ اہلِ تشیع اسے صرف حضرت علی رضؓ کی فاطمی رضؓ نسل میں بطور عقیدہ مختص اور منحصر سمجھتے ہیں اور اس کو بھی صرف بارہ اماموں میں دائر سمجھتے ہیں پھر ان کے عقیدے کے مطابق یہ بارہ کے بارہ امام مامور من اللہ ہیں[۱]۔ بارہویں امام ان کے نزدیک غائب لیکن تاحال زندہ ہیں اور انہی کا دورِ امامت جاری و ساری ہے[۲]۔

---

[۱] کتنا مضحکہ خیز عقیدہ ہے کہ "مامور من اللہ" ہونے کے باوجود ان میں سے حضرت علی رضؓ قریباً ساڑھے چار سال خلیفہ رہے۔ وہ بھی تین خلفاء راشدین کے بعد۔ اور آنجنابؓ کی خلافت وقت کی تمام مملکتِ اسلامیہ پر ایک دن کے لیے بھی قائم نہیں رہی۔ مزید یہ کہ آپؓ نے بے چون وچرا اور بلا اعتراض پوری دلی آمادگی کے ساتھ اپنے تینوں پیش رو خلفاء راشدین کے ہاتھ پر بیعت سمع و طاعت کرلی۔ پھر حضرت حسن رضؓ نے رضاکارانہ طور پر خلافت سے دستبرداری اختیار فرما کر امت پر احسانِ عظیم فرمایا جس کے نتیجہ میں پوری اسلامی مملکت ایک وحدت بن گئی۔ (مرتب)

[۲] نبی اکرمؐ نے ایک موقع پر صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا تھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ... (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سُنّی اور شیعہ معتقدات کا فرق و تفاوت

چنانچہ سنّی اسلام اور شیعی اسلام میں عقائد کا فرق اتنا واضح اور اتنا متضاد اور متصادم ہے کہ ان میں سِرے سے کوئی مصالحت محال مطلق اور قطعی ناممکن ہے۔ کوئی دور از کار تاویل بھی ان دونوں میں کوئی مطابقت پیدا نہیں کر سکتی ایک طرف خلافتِ عامہ کا تصوّر و عقیدہ ہے۔ دوسری طرف امامتِ معصومہ کا تصوّر و عقیدہ ہے اور وہ بھی ایک مخصوص نسل میں۔ پھر یہ امامتِ معصومہ بھی بارہ ائمہ تک محدود ہے۔ جن میں سے بارہویں امام غائب ہیں لیکن قریباً تیرہ سو سال سے زندہ کسی غار میں پوشیدہ ہیں۔ اور ان کے ظہور تک انہی کا عہدِ امامت جاری و ساری ہے حکومت کا حق صرف ان کے لیے مخصوص ہے۔ اثنا عشری شیعوں کے عقائد کے مطابق ان کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قبل تینوں خلفاء راشدین رض معاذ اللہ غاصب تھے اور آنحضرت ؐ کے بعد تاحال دنیا میں جتنی بھی حکومتیں قائم رہی ہیں یا اب ہیں وہ سب غاصبانہ حکومتیں ہیں ــــ اس عقیدے کے جو منفی نتائج تاریخ اسلام میں نکلے ہیں۔ ان پر آگے کچھ عرض کروں گا۔

ان عقائد کا اسلامی انقلاب سے ربط و تعلّق

ظاہر بات ہے کہ کسی نمایاں تبدیلی یا مکمل اسلامی انقلاب میں بنیادی اہمیت انہی تصوّرات اور معتقدات کی ہے کہ سیاسی ہیئتِ حاکمہ کس اصول پر قائم ہوگی۔ یہی تو اس میں فیصلہ کن عامل ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے سنّی اور شیعہ مکاتبِ فکر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ان میں جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے بعد المشرقین ہے۔ ان میں CO-EXISTANCE اور مطابقت ہو ہی نہیں سکتی۔ اسی لیے میں اس فرق کو بنیادی و اساسی فرق کہتا ہوں اور اسی لیے میں نے ابتداء ہی میں ان کو دو اسلام سے تعبیر

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے پیوستہ) تم میں سے جو آج زمین پر زندہ ہیں وہ سو سال سے زیادہ زندگی نہیں پائیں گے۔ اس کے بعد بارہ سو سال تک مسلسل زندہ رہنا کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔! اسی لیے اکثر اہلِ سنّت ان روایات کو بھی موضوع قرار دیتے ہیں جو حضرت خضر کی مسلسل حیات کے متعلق پائی جاتی ہیں (مرتب)

کیا ہے۔ سُنّی اسلام خالصتاً کتاب و سنّت پر مبنی ہے۔ جبکہ شیعہ اسلام محض توہمات اور تخیّلات پر مبنی ہے۔ جس کی کوئی معمولی سی بنیاد نہ قرآن مجید میں ہے اور نہ احادیث صحیحہ و ثابتہ میں ہیں —— لہٰذا اسلام کے نام سے اگر کوئی انقلاب آئے گا یا ظہور پذیر ہوگا تو وہ یا سُنّی انقلاب ہوگا یا شیعہ انقلاب۔ اس کو مقید و مشروط (CLASSIFIED) کیے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ محض ظاہری رواداری کے تحت یہ کہا جائے کہ سُنّی و شیعہ اسلام ایک ہے تو یہ بات صحیح نہیں ہے۔ انقلاب یا مؤثر تبدیلی کے اعتبار سے اسلام ایک نہیں دو ہوں گے۔ یا خلافت کے اصول پر انقلاب آئے گا اور اس کے مطابق نظام قائم ہوگا اور یہ سُنّی اسلامی انقلاب ہوگا۔ یا وہ امامتِ معصومہ کی بنیاد پر آئے گا تو وہ شیعہ مذہبی انقلاب ہوگا۔

موجودہ ایرانی انقلاب، اصل شیعیت کے مطابق بھی نہیں ہے

ایک اہم ترین بات اور پیشِ نظر رہنی ضروری ہے کہ ایران کا موجودہ انقلاب جو معیاری اور ٹکسالی (CLASSICAL) شیعی معتقدات اور شیعہ ذہن ہے اس کے مطابق بھی نہیں ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جو اثنا عشری شیعہ ہیں جن کے بارہویں امام غائب ہیں یا داؤدی بوہری شیعہ جن کے بھی آخری امام غائب ہیں دونوں کو جمع کر لیجئے۔ رہے اس فرقہ کے لوگ جن کا امام حاضر اور موجود ہے ان کی تو ہم بات ہی نہیں کرتے۔ اس لیے کہ ان کے عقائد کے مطابق ان کا امام حاضر ہے، وہی ان کا حاکم ہے، وہی ان کا مطاع بھی ہے بلکہ حقیقت کے اعتبار سے وہی ان کا معبود ہے۔ اس کی تصویر سامنے رکھ کر اسماعیلی سجدہ کرتے ہیں[1]۔ لہٰذا ان کا معاملہ تو علیحدہ کر دیجئے۔ وہ ہماری موجودہ گفتگو سے خارج ہیں۔ باقی جن لوگوں کے نزدیک ان کے امام غائب ہیں تو ان

---

[1] حال ہی میں حیدرآباد سندھ سے میثاق کے ایک قاری نے اسماعیلی فرقہ، کی ایک درسی کتاب گجراتی اور اردو کی فوٹو سٹیٹ نقول ارسال کی ہیں۔ اس فرقہ کے عقائد کو سمجھنے کے لیے ان اسباق سے چند باتیں پیش ہیں (۱) ہمارا حقیقی کلمہ اشہد ان لا الٰہ الّا اللّٰہ واشہد انّ محمّدً رسول اللّٰہ واشہد انّ امیر المؤمنین علی اللّٰہ ہے۔ اس

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی ایک خاص نفسیات سبائی فتنہ انگیز فکر کے تحت اسی وقت سے بنتی اور پختہ (DEVELOP) ہوتی چلی آ رہی ہے جو آپ کو پوری اسلامی تاریخ میں نظر آئے گی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قبل خلفائے راشدینِ ثلاثہ کا جو بھی حکومت کا نظام قائم ہوا اور آنجنابؓ کے بعد جو بھی دور چلا۔ خواہ بنوامیہ کا ہو، وہ بنوعباس کا ہو، وہ ترکانِ سلجوق ہوں، وہ ترکان عثمان ہوں۔ وہ مصر کی فاطمی خلافت ہو — ہندوستان میں خاندانِ غلاماں سے لے کر مغل دورِ حکومت ہو۔ کہیں بھی اور کوئی بھی حکومت ہو۔ امام غائب کے عقیدہ کو تسلیم کرنے والے تمام اہلِ تشیع کے نزدیک وہ غاصبانہ حکومتیں تھیں اور موجودہ دور میں بھی جو مسلمانوں کی حکومتیں ہیں، وہ بھی غاصبانہ ہیں۔ چونکہ ان کے نزدیک حکومت کا حق صرف ائمہ معصوم کو ہے۔ آخری امام روپوش ہیں لہٰذا حضرت علیؓ کی خلافت کو مستثنٰی کر کے ماقبل اور مابعد کی تاحال ہر نوع کی حکومتیں غاصبانہ تھیں اور ہیں چاہے وہ سُنیوں کی ہوں چاہے وہ شیعوں کی ہوں۔ اس لیے کہ امام معصوم کے سوا حکومت کرنے کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے

(حاشیہ: گذشتہ صفحہ سے پیوستہ) کتاب میں آخری حصہ کا ترجمہ یہ لکھا گیا ہے کہ "علی اللہ ہیں یا علی اللہ میں سے ہیں)" (ii) 'یا علی مدد' ہمارا سلام ہے۔ (iii) ہمارا امام حاضر بولتا ہوا قرآن ہے اس لیے اس کے فرمانوں پر عمل کرنے والے فلاح پاتے ہیں (iv) امام کا ہاتھ خدا کے ہاتھ کے برابر ہے امام کا چہرہ خدا کے چہرے کے برابر ہے۔ عقیدت سے امام کا دیدار کرنے والا خدا کا دیدار کر رہا ہے (v) امام حاضر عقلِ کل ہے۔ اسی وجہ سے جو ہو چکا۔ جو ہو رہا ہے اور جو ہونے والا ہے یہ سب امام حاضر پر روشن ہوتا ہے (vi) رات کو سوتے وقت اور صبح اٹھتے وقت "مولیٰ علی" سے مدد مانگنی چاہیے۔ امام حاضر کو ہم "مولیٰ علی" کہتے ہیں (vii) نبی محمد گرد برہما کے اوتار ہیں۔ ست گرد برہما اور محمد ایک ہی ہیں۔ ان کو پیدا کرنے والا داتا دشنو ہے (ix) امام حاضر جو ہیں وہ مرتضیٰ علی کے اوتار ہیں" — کلیجہ پر پتھر رکھ کر ان خرافات کو نقل کیا گیا ہے۔ تاکہ سُنی مسلمانوں کو اس فرقے کی ضلالت بلکہ کفر کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ یہ درسی کتاب "اسماعیلیہ ایسوسی ایشن بمبئی (انڈیا) کی جانب سے شائع کی گئی ہے اور غالباً تمام اسماعیلی اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ (مرتب)

اور آخری امام غائب ہیں۔

اس نفسیات کے منطقی نتائج

لہٰذا پوری اُمتِ مُسلمہ کی تاریخ میں ہمارے شیعہ بھائیوں کا اکثر و بیشتر لیفٹسٹ[1] اور فضیحتہ کالمسٹ کا کردار نظر آئے گا۔ اس لیے کہ ان کے ایمان کا تقاضا ہے کہ کسی کی حکومت کو دل سے قبول نہ کریں۔ چونکہ حکومت کا حق صرف امام کا ہے تم کون ہو! مجھے بے ساختہ اکبرالٰہ آبادی مرحوم کا یہ شعر یاد آگیا۔ ؎

رضائے حق پر راضی رہ یہ حرفِ آرزو کیسا! خدا مالک، خدا خالق، خدا کا حکم تو کیسا!

اہلِ تشیع کے نزدیک ائمہ مامور من اللہ ہیں اور امام کا حق ہے کہ وہ حکومت کرے۔ تم بیچ میں کیسے آگئے۔ حکومت کرنے والے تم کون ہو! ـــ لہٰذا وہ ہر حکومت کو غاصبانہ حکومت سمجھتے ہیں خواہ وہ کسی کی ہو۔ ایسی حکومت کے ساتھ ان کا دلی تعاون ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہو گا تو تقیہ کے تحت ہو گا۔ حالات کی مجبوری کے تحت ہو گا۔ ظاہر میں یہ حضرات تعاون کا طرزِ عمل اختیار کرلیں لیکن دلی ہمدردی اور دلی تعاون کا معاملہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کے لیے اہلِ تشیع اپنے ایمان اور عقیدے کے ہاتھوں مجبور ہیں۔

اس نفسیات کے مہلک اثرات

لہٰذا ان کا جو طرزِ عمل رہا ہے اس کو چند الفاظ میں جمع کر کے سمجھ لیجئے۔ ـــ

ایک بے اطمینانی، ایک جذبۂ عدمِ وفاداری اور ایک حالتِ منتظرہ ـــ وہ انتظار میں ہیں کہ امام حاضر ہوں تو گاڑی آگے بڑھے۔ جب تک امام غائب ظاہر و حاضر نہیں ہوتے تو پورا معاملہ ایک معطل (STAND STILL) اور غیر متحرک حالت میں ہے لہٰذا جہاں کہیں بھی جو نظامِ حکومت چلتا رہا ہے یا اب چل رہا ہے۔ وہ غلط ہے اس لیے کہ حکومت کا اصل حق دار تو امام معصوم ہے۔ یہ بہت اہم اور بنیادی بات میں نے آپ کو بتائی ہے۔ یہ بڑا نفسیاتی الجھاؤ ہے۔ جس سے اہلِ تشیع دورِ اوّل سے دوچار چلے آرہے

---

[1] اغلباً یہی وجہ ہے کہ برِصغیر پاک و ہند میں مسلمان کہلانے والے جو نامی کمیونسٹ اور سوشلسٹ گزرے ہیں یا اس نظریہ کے فی الوقت قائلین موجود ہیں ان میں اکثریت شیعہ مکتبِ فکر کے حضرات کی ہے۔ (مرتب)

ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری پوری تاریخ میں اس نقطۂ نظر کے حامل اور اس اُلجھن میں گرفتار لوگوں کا طرزِ عمل قطعی طور پر منفی (NEGATIVE) رہا ہے۔ جب تک امام غائب ظاہر ہو کر حکومت نہ سنبھال لیں ان کے نزدیک ہر نوع کی حکومت غلط ہے اور فاسد ہے۔ غاصبانہ ہے۔ لہٰذا نفسیاتی طور پر تمام اہلِ تشیع بے اطمینانی، عدم وفاداری اور حالتِ منتظرہ کی کیفیات میں صدیوں سے دوچار چلے آرہے ہیں اور اس کے نتیجہ میں ان کے ایک منفی طرزِ عمل کے ہماری پوری تاریخ میں بے شمار شواہد موجود ہیں۔ یہ محض اتفاقات نہیں ہیں کہ بنو اُمیہ کی حکومت کا تختہ اُلٹنے میں ابو مسلم خراسانی پیش پیش رہا ہے۔ بنو عباس کے دور میں کئی بار اس گروہ کی طرف سے سازشیں اور بغاوتیں ہوئی ہیں اور بالآخر جب تاتاریوں نے حملہ کیا ہے اور بغداد کو تہس نہس کیا ہے تو عباسی حکومت میں وزارتِ عظمٰی پر علقمی کے نام سے اس گروہ کی شخصیت موجود تھی جس نے تاتاریوں کے ساتھ ساز باز کی تھی اور ان کو بغداد پر حملہ کرنے کی دعوت دی تھی۔ اور ان کی پوری پوری مدد کی تھی۔ آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کو ہلاکو خان قتل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس علقمی نے اس سے کہا تھا کہ حضور آپ اس کے ناپاک خون سے اپنی تلوار کیوں خون آلود کریں! پھر اسی کی تجویز پر مستعصم باللہ کو گائے کی کھال میں سی کر اس کے جسم کو گھوڑوں سے روندا گیا تھا۔ اسی بہیمانہ سلوک کے متعلق شیخ سعدی نے کہا تھا ؎

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المومنیں

پھر ہم نے برِ صغیر پاک و ہند کے اندر جو چرکے کھائے ہیں انہیں یاد کیجئے ؎

جعفر از بنگال و صادق از دکن ننگِ آدم ننگِ دیں ننگِ وطن

یہ دونوں کس مذہب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ پھر ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے موقع پر انگریزوں کے لیے جاسوسی کرنے، ان کو دہلی کے اندرونی حالات کی خبریں دینے، ان کی مدد کرنے میں سب سے اہم کردار بہادر شاہ ظفر کی اہلیہ زینت محل اور اس کے خانوادے نے ادا کیا تھا۔ وہ سب بھی اسی مکتبِ فکر سے متعلق تھے۔

اس کا سبب

اس کی وجہ کیا ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ نسل پرست (Racialist) عنصر کسی بھی نظام کو چاہے وہ بظاہر شیعہ کا نظام ہو ذہناً قلباً صحیح سمجھ ہی نہیں سکتا۔ چونکہ اُس کے عقیدے کے مطابق یہ حق صرف اور صرف ائمہ معصومین کا ہے اور آخری امام غائب ہیں لہٰذا ان کے ظہور تک ہر نوع کی

حکومتیں غاصبانہ حکومتیں ہیں۔ اسی لیے میں نے عرض کیا تھا کہ اصل میں کلاسکل شیعیت کے اعتبار سے تو ایران کا موجودہ نظام بھی غلط ہے۔ اصل تشیعیت کے اعتبار سے جب امام مہدی ظاہر ہوں گے تو "حقیقی اسلامی حکومت" ان کی امامت میں قائم ہوگی۔ اس سے پہلے اسلامی حکومت قائم ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

جناب خمینی صاحب کا کارنامہ

لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ خمینی صاحب کا یہ کارنامہ ہے۔ اس کو ماننا پڑے گا اور اس کا کریڈٹ ان کو دینا پڑے گا کہ انہوں نے نہایت ذہانت سے شیعہ مکتبِ فکر کے اس تعطل کو ختم کر دیا۔ اور انہوں نے نائب امام کا نیا تصور پیش کیا۔ امام تو فی الوقت موجود نہیں ہیں غائب ہیں، لیکن ان کے ظہور تک کوئی شخصیت نائب امام کی حیثیت سے کاروبارِ حکومت چلا سکتی ہے۔ چونکہ ظاہر بات ہے کہ نائب امام کو حقوق وہی حاصل ہو جائیں گے جو امام کو حاصل ہیں۔ نیابت کے تو معنی ہی یہ ہیں — اور انہوں نے دوسرا تصور یہ دیا کہ جب تک امام منتظرؑ ظاہر نہیں ہو جاتے اُس وقت تک ولایتِ فقیہ کا فلسفہ و نظریہ (CONCEPT) ہے کہ علماء مجتہدین کو حکومت کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ یہ دراصل THEOCRACY کا نظام ہے یعنی علماء کے طبقہ کی حکومت۔ اور وہ مذہبی طبقہ نائبِ امام کی سرکردگی میں کاروبارِ حکومت چلائے گا اور نائبِ امام کی بالکلیہ اطاعت ہوگی۔ چاہے اُسے امام معصوم نہ مانا جائے لیکن اس کا ایک عکس اس کے اندر ہوگا اور FINAL AUTHORITY اور آخری فیصلہ کا حق اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ باقی نائبین فقہاء و مجتہدین اس کے مشیر اور کارندے ہوں گے جو شیعی قانون کے ماہرین میں سے ہیں۔

ایران کا موجودہ نظام

لہٰذا ایران کا اس وقت کا نظام نہ سُنّی اسلام کے مطابق ہے اور نہ اصل شیعی اسلام کے مطابق ہے بلکہ اسے آپ جناب خمینی صاحب کا بڑا دُور رس و مؤثر اجتہاد کہہ سکتے ہیں۔ ایک نیا نظریہ ہے، جو انہوں نے اپنی کتابوں "ولایت الفقیہ" اور "الحکومت الاسلامیہ" میں پیش کیا ہے۔ ان کے نظریے کے اعتبار سے یہ بڑی معرکتہ الآرا اور بنیادی کتابیں ہیں۔ ایران کی موجودہ تبدیلی میں ان کتابوں نے مؤثر کردار ادا کیا ہے۔ آخر الذکر کتاب کے کچھ حوالے میں آپ کو سُنا چکا ہوں کہ ان کے نزدیک ان کے ائمہ کا مقام و مرتبہ کیا ہے! لیکن بہرحال اس

وقت ان کا موقف یہ ہے کہ امام آخرالزمان کے ظہور تک نائبِ امام کو علماء و فقہاء کے اشتراک و تعاون سے حکومت کرنے کا حق ہے نہ کہ کسی بادشاہ یا کسی جمہوری ادارہ کو۔ لہٰذا اصل میں یہ ایک مخصوص مذہبی طرز کا نظام (THEOCRATIC SYSTEM) ہے، جو اس وقت ایران میں چل رہا ہے۔

جناب خمینی کا اجتہاد اور نظریہ خود ان کے الفاظ میں

جناب خمینی صاحب کا نظریہ و اجتہاد خود ان کے الفاظ سے سُنیے جس کے تحت وہ اس وقت ایران میں نائب امام کی حیثیت سے مختارِ کل ہیں۔ وہ رقمطراز ہیں :

واذا انهض بامر تشكيل الحكومة فقيه عالم عادل فانه يلى من امور المجتمع ماكان يليه النبىؐ منهم، ووجب على الناس ان يسمعوا له ويطيعوا ويملك هذا الحاكم من امر الادارة والرعاية والسياسة للناس ماكان يملكه الرسولؐ وامير المؤمنينؑ۔	"اور جب کوئی فقیہ (مجتہد) جو صاحبِ علم ہو عادل ہو حکومت کی تنظیم و تشکیل کے لیے اٹھ کھڑا ہو تو اس کو معاشرے کے معاملات میں وہ سارے اختیارات حاصل ہوں گے جو نبیؐ کو حاصل تھے اور سب لوگوں پر اس کی سمع و طاعت واجب ہوگی اور یہ صاحبِ حکومت فقیہ مجتہد حکومتی نظام اور عوامی و سماجی مسائل کی نگہداشت اور امت کی سیاست کے معاملات میں اسی طرح مالک و مختار ہوگا جس طرح نبیؐ اور امیر المومنینؑ مالک و مختار تھے۔"
الحکومۃ الاسلامیہ ص۴۹	

ولایت فقیہ کے نظریہ کی مزید توجیہہ

جناب خمینی صاحب کو شیعہ علماء و فقہاء اور مجتہدین کو اپنے اعوان و انصار کی حیثیت سے ساتھ لے کر چلنا تھا۔ لہٰذا انہوں نے جو موقف اختیار کیا وہ ان کے الفاظ میں سُنیے :-

ان الفقهاء هم اوصياء الرسولؐ من بعد الائمة وفى حال غيابهم وقد كلفوا بالقيام بجميع	"فقہاء (یعنی مجتہدین) ائمہ معصومین کے بعد اور ان کی غیبت کے زمانے میں رسولؐ خدا کے وصی ہیں اور وہ مکلف ہیں ان سب امور و معاملات کی

ماکلف الائمۃ علیھم السلام بالقیام بہ (الحکومۃ الاسلامیہ صہ ۷۵) انجام دہی کے جن کی انجام دہی کے مکلف ائمہ علیہم السلام تھے۔"

ہمارا موقف

جناب خمینی صاحب کے اجتہادات کے صحیح وغلط اور حسن و قبح پر ہمیں قطعاً بحث نہیں ہے۔ ہمارا موقف اس معاملہ میں یہ ہونا چاہیئے کہ ہمارے ایرانی بھائی اپنے ملک کو جس طرح چاہیں چلائیں انہیں اختیار ہے۔ اگر عوام اس کو قبول کرتے ہیں تو چلیئے اس کو ایک عوامی سند بھی حاصل ہو گئی ہے۔ باقی رہا وہاں تشدّد اور قتل وغارت کے معاملات تو اس کے متعلق ہمیں حقیقی صورتِ حال کا علم نہیں ہے۔ اس لیے اس کی بابت نہ اثباتاً کوئی حکم لگایا جا سکتا ہے نہ نفیاً — یہ تو کوئی عدالت ہو جس کے سامنے فریقین پیش ہوں اور شواہد سامنے آئیں تو کوئی فیصلہ ہو۔ اس لیے میں اس بارے میں صرفِ نظر کرتا ہوں[1]۔ بہرحال ہمارے ایرانی بھائیوں کو حق ہے کہ وہ اپنے لیے جو نظام پسند کریں اُسے اختیار کر سکتے ہیں خواہ وہ تھیاکریسی کا ہو۔ وہ خمینی صاحب کو نائب امام ہی نہیں امام مطلق مان لیں۔ وہ ولایت الفقیہ کے تصوّر کو اپنا مذہبی تصوّر تسلیم کرلیں ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن بہرحال اس پوری صورتِ حال میں لفظ اسلام کے اشتراک کی وجہ سے مغالطہ پیدا کرنا اس کا حق کسی کو نہیں ہے۔ اگر یہ مغالطہ پیدا کیا جائے گا تو ہمارا فرض ہوگا کہ اس مغالطہ کو رفع کریں اور جو اصل حقیقت ہے اُسے کھول کر سامنے رکھ دیں[2]۔

---

[1] اخبارات کی اطلاعات سے یہ تو ظاہر ہوتا ہے کہ خمینی صاحب کی کامیابی کے بعد مخالفین کو ہزاروں کی تعداد میں موت سے ہم کنار کیا گیا بلکہ مخالفین کے علاوہ اپنی صفوں کے ایسے عناصر کو بھی قتل کیا گیا یا وہ وہاں سے جان بچا کر نکل گئے جن سے کامل Theocracy کے نظام سے اختلاف کا اندیشہ تھا۔ اس صورتِ حال کو "اسلامی انقلاب" سے منسوب کرنا سراسر ناانصافی ہی نہیں بلکہ اسلام کی بدنامی کا باعث ہے۔ اس لحاظ سے بھی ایران کے حالات کو "اسلامی انقلاب" کہنا قطعی غلط ہے (مولف)

[2] تعجب تو ان سُنّی سیاستدانوں اور دانشوروں کے طرزِ عمل پر ہوتا ہے جو شیعہ سُنّی کے بنیادی اور اساسی عقائد سے ناواقف نہیں ہو سکتے پھر بھی ایران کے واقعات وحالات اور تبدیلی کو "خالص اسلامی انقلاب" قرار دیتے ہیں اور اُسے آئیڈیل ٹھہرا کر پاکستان اور دوسرے مسلم ممالک کے مسلمانوں کو جناب خمینی کی قیادت و امامت قبول کرکے اپنے اپنے ملکوں میں ایرانی طرز کا انقلاب برپا کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ (مرتب)

میرا تجزیہ

ایران میں قریباً آٹھ سال قبل حالات نے جو رُخ اختیار کیا تھا، اور اس کے نتیجہ میں وہاں جو بڑی نمایاں تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی ہیں ان کے متعلق میرا تجزیہ یہ ہے کہ اوّلاً ایران کی یہ تبدیلی انقلاب کے معیارات (CRITERIA) پر پورا نہیں اُترتی۔ یہ حقیقت کے اعتبار سے انقلاب (REVOLUTION) نہیں ہے بلکہ (COUP) ہے البتہ یہ COUP فوج کے بجائے ایک مذہبی طبقے کے ذریعے ظہور پذیر ہوا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے صحیح اصطلاح COUP BY CLERGY ہے۔ ثانیاً یہ کہ جو سیاسی فکر اس کی بنیاد ہے اس کا سُنّی اسلام سے تو سرے سے کوئی تعلق ہے ہی نہیں وہ تو بعد المشرقین کا معاملہ ہے لیکن جو اصل شیعیت ہے اس سے بھی اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے ایرانی شیعہ بھائیوں میں سے ایک ایسی بڑی شخصیت جناب خمینی کی اُبھری ہے کہ اُس نے تعطل توڑ کر نائبِ امام اور ولایت الفقیہ کا ایک ایسا فلسفہ اور نظریہ پیش کر دیا ہے کہ جس کی وجہ سے ان کی گاڑی آگے چل سکتی ہے۔ بہرحال یہ ہے ایرانی انقلاب کے متعلق میری رائے — اسے صحیح معنوں میں انقلاب سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا ہے اور اسے "اسلامی" اور آگے بڑھ کر "خالص اسلامی انقلاب" قرار دینا سخت نادانی ہی نہیں بہت بڑی نا انصافی ہے اور ظلم ہے۔ ایسا پروپیگنڈہ کرنے والوں کے متعلق مَیں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ وہ حقیقی اسلامی انقلاب کے اصول و مبادی، خدوخال اور مراحل سے نابلدِ محض ہوں گے بس اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ اسے مریض اور مرعوب ذہنیت کی کامل عکاسی قرار دینے میں کسی کو کوئی تامل نہیں ہوسکتا۔

حقیقی اسلامی انقلاب؟

اب مجھے قرآن و سنت اور سیرتِ مطہرہ کے معروضی حوالہ سے حقیقی اسلامی انقلاب کے اصول و مبادی، منہج عمل اور مختلف مراحل کو تفصیل سے بیان کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اختصار اس کے لیے ہرگز کفایت نہیں کرے گا لہٰذا اللہ کو منظور ہوا تو آئندہ جمعہ سے سلسلہ وار اس موضوع پر گفتگو ہوگی جو اندازاً آٹھ جمعوں میں جاکر مکمل ہوگی[1] فی الحال مجھے انقلاب

---

[1] الحمد للہ اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب مدّظلہ کے قریباً آٹھ خطابات ریکارڈ ہو چکے ہیں۔ ان کو منتقل کرکے "میثاق" میں بالاقساط شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اس کی تکمیل کی دعا ہے (مرتب)

کے حوالہ سے پاکستان کے حالات کے متعلق چند گزارشات پیش کرنی ہیں۔

پاکستان کے متعلق کچھ باتیں

پاکستان کے بارے میں پہلی حقیقت جسے سمجھ لینا چاہیئے۔ وہ یہ ہے کہ اگر اس پاکستان کو باقی رہنا ہے تو اسلامی انقلاب اس کے لیے مقدر ہے، ناگزیر ہے وہ آئے گا تو یہ بچے گا اگر نہیں آئے گا تو یہ نہیں بچے گا۔ یہ نہیں ہوا کرتا کہ کوئی خطۂ ارضی ختم اور نابود ہو جائے۔ مشرقی پاکستان موجود نہیں ہے لیکن اس کی جگہ بنگلہ دیش کے نام سے ایک ملک موجود ہے۔ مغربی پاکستان — جسے اب ہم کل پاکستان، سمجھتے اور کہتے ہیں — نہ رہے بلکہ اس کی جگہ چند ریاستیں مختلف ناموں سے وجود میں آجائیں جسے BULKINISATION کہا جا سکتا ہے۔ زمین تو رہتی ہے اس کی نوعیت بدل جاتی ہے یا اس کی حدود میں فرق واقع ہو جاتا ہے۔ تو پاکستان کا معاملہ یہ ہے کہ اگر اسلام یہاں غالب نہیں آتا تو یہ ملک نہیں رہے گا۔ اگر رہے گا تو کسی کا طفیلی بن کر رہے گا۔

بھارت کی حکمتِ عملی

وہ طفیلی بھارت کا ہو جیسے اندرا گاندھی[1] کی ساری کوشش یہی ہے۔ وہ پاکستان کو ہرگز ختم کرنا نہیں چاہتی۔ یہ بات اس کی مصلحت کے خلاف ہے کہ پاکستان بالکل ختم ہو جائے۔ روس کے ساتھ اس کا معاملہ یہ ہے کہ ع "نہ طاقتِ وصل دارم نہ طاقتِ جدائی" وہ ہرگز یہ پسند نہیں کرے گی کہ اس کی سرحدیں روس سے مل جائیں اور افغانستان میں روسی عمل دخل بلکہ اس کے قابو اور قبضہ میں چلے جانے اور پاکستان کے درمیان میں سے ختم ہو جانے اور بھارت میں ضم ہو جانے کے معنی یہ ہوں گے کہ بھارت کی سرحدیں روس کے مقبوضات سے ملحق ہو جائیں۔ یہ اندرا گاندھی کو کسی طور گوارا نہیں ہو گا اس لیے کہ روس کے سفید ریچھ کا EMBRACE۔ اس کا قرب کسی کو بھی گوارا نہیں ہو گا چونکہ یہ بڑا ہلاکت خیز (FATAL EMBRACE) ہو گا جو بھی اس کے قریب آئے گا اُس کا اس کے پنجے سے بچنا ممکن نہ ہو گا۔ وہ ختم ہو جائے گا۔ پھر بھارت میں جو اونچ نیچ اور ثروت و غربت کا فرق و تفاوت ہے وہ روس کے فلسفہ

---

[1] خیال رہے کہ یہ تقریر ۲۸ ستمبر ۸۴ء یعنی اندرا گاندھی کی ہلاکت سے قبل کی ہے۔ ویسے بھارت کی موجودہ حکومت بھی اندرا گاندھی ہی کی حکمتِ عملی پر کاربند نظر آتی ہے۔ (مرتب)

کے اعتبار سے بڑی آسان چراگاہ ہے۔ اس لیے وہ اس کو ہرگز گوارا نہیں کر سکتی کہ درمیان میں سے پاکستان ختم ہو جائے۔ صرف اس کی خواہش یہ ہے کہ پاکستان ہمارا طفیلی، ہمارا دبیل اور ہماری مرضی کے مطابق داخلی، خارجی، دفاعی حکمتِ عملی پر عمل پیرا ہونے والا ملک رہے۔ اس پر "نوائے وقت" کے بہت صحیح اداریے آچکے ہیں۔ معاصرِ عزیز نے حالات کا درست تجزیہ کیا ہے۔

بقاء اور استحکام کا واحد راستہ، اسلام کا قیام

اچھا آپ یا بھارت کے دبیل بن کر بچ جائیں یا امریکہ کے طفیلی ہو کر بچ جائیں[۱]۔ اس سے فرق کوئی نہیں پڑتا۔ اس لیے کہ طفیلی ہو کر تو آپ بچ سکتے ہیں۔ لیکن ایک آزاد، حقیقتاً آزاد، باوقار اور باعزّت ملک کی حیثیت سے باقی رہنے کا صرف ایک راستہ ہے کہ یہاں صحیح صحیح طور پر اسلامی نظام اپنی تمام تفاصیل اور جزئیات کے ساتھ قائم و نافذ ہو۔ اگر نہیں ہوگا تو پاکستان نہیں رہے گا[۲]۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس انجامِ بد سے بچائے کہ ٹکڑے ہو کر ملک تقسیم ہو جائے اور صورتِ حال علّامہ اقبال کے اس شعر کے مصداق ہو جائے ؎

اُڑائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گُل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

پاکستان کا نام صرف تاریخ کے اندر رہ جائے کہ اس نام سے چالیس پینتالیس سال ایک ملک

---

[۱] امریکہ پر بھروسہ بھی گویا تنکوں کے سہارے کے مانند ہے چونکہ امریکہ کی دوستیاں اپنے مفادات کے مطابق تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ پھر اس حقیقت سے کون واقف نہیں کہ امریکہ کی ڈیموکریٹ پارٹی بہرصورت پاکستان کے مقابلہ میں بھارت کی دوستی اور خوشنودی کو اولیت دیتی ہے۔ امریکہ میں جب بھی اس پارٹی کی حکومت بنے گی تو پانسہ بالکل بدل سکتا ہے۔ (مرتب)

[۲] حسنِ اتفاق سے ۲۹ر مارچ ۸۵ء کے خطاب جمعہ میں مولانا سید منظر حسین ندوی مدظلہٗ کی محاضراتِ قرآنی میں کی گئی ایک تقریر کے حوالہ سے حالات کے رُخ کو بدلنے کا ایک قرآنی آسان نسخہ بیان ہوا ہے وہ یہ ہے: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (مرتب)

رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے اپنی حفظ و امان میں رکھے۔

ہمارے لیے لمحۂ فکریہ

مَیں آپ سے کئی بار عرض کر چکا ہوں اب پھر عرض کر دیتا ہوں کہ حالات جس رُخ پر جا رہے ہیں تو نظر یہ آ رہا ہے کہ ہماری شامتِ اعمال ہمارے دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ لیکن میرے دل میں اُمید کی ایک کرن رہتی ہے۔ وہ کبھی کبھی ٹمٹمانے لگتی ہے۔ کبھی کبھی دیا بجھنے پر آ جاتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ پھر سے اُسے روشن فرما دیتا ہے۔ یہ میرا وہ مشاہدہ ہے جسے مَیں نے کئی بار بیان کیا ہے کہ میرے نزدیک پاکستان کا قیام اللہ تعالیٰ کی جو تکوینی تدابیر ہیں ۔ درحقیقت انہی تدابیر کا ایک جزو معلوم ہوتا ہے۔ یہ قائم ہوا ہے تو مشیّتِ الٰہی (DIVINE WILL) سے ہوا ہے، یہ ہماری کوششوں سے نہیں ہوا۔ یہ جیسا کچھ بھی اب تک قائم اور باقی رہا ہے تو اللہ کے فیصلے اور اس کی نصرت سے رہا ہے، ہمارے ہاتھوں سے نہیں رہا۔ صدر ایوب صاحب نے تو اپنے دورِ حکومت میں بھارت کو مشترکہ دفاع (JOINT DEFENCE) کی تجویز پیش کر دی تھی۔ گویا آزاد پاکستان پلیٹ میں رکھ کر پیش کر دیا تھا۔ وہ تو پنڈت نہرو کی اللہ تعالیٰ نے مت مار دی اور اس نے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا ورنہ پاکستان کا ایک آزاد و خود مختار ملک کی حیثیت سے اس پیش کش کی منظوری کی صورت میں اسی روز خاتمہ ہو جاتا ——— چونکہ JOINT DEFENCE کے منطقی تقاضے یہ ہیں کہ بجٹ بھی مشترکہ ہو۔ اس لیے کہ بجٹ کا بڑا حصہ ملک کے دفاع سے متعلق ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ خارجہ پالیسی بھی ایک ہو۔ چونکہ دفاعی حکمتِ عملی سے اس کا چولی دامن والا تعلق ہے۔ گویا پاکستان کو بھارت کی ایک طفیلی ریاست بنانے کی ہماری طرف سے اُس وقت ہی پیش کش کر دی گئی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور خود پنڈت نہرو نے اس کو مسترد کر دیا ——— پھر جن لوگوں کو تحریک پاکستان کی کشاکش کا علم ہے وہ جانتے ہیں کہ قائدِ اعظم نے کیبنٹ مشن پلان کو قبول کر لیا تھا جس کی رُو سے ایک مرکز کے تحت ملک کے تین زون (ZONES) دس سال کے لیے تشکیل دینے کی تجویز تھی گویا دس سال کے لیے آزاد و خود مختار پاکستان کے مطالبہ سے قائدِ اعظم خود دستبردار ہو گئے تھے۔ تو اس موقع پر بھی پنڈت نہرو ہی کی مت نہ ماری جاتی تو پاکستان ایک آزاد ملک کی حیثیت سے وجود میں ہی نہ آیا ہوتا۔ پنڈت جی نے ایک صحافی کے جواب میں کہہ دیا تھا کہ دس سال کے بعد مرکز کب کسی زون کو خود مختار و آزاد ہونے دے گا۔ پھر ۶۵ء کی جنگ

میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں جس طرح سرخرو فرمایا، وہ بھی اس بات کے شواہد میں سے ہے۔ پھر ۱۹۷۱ء کی جنگ کے نتیجہ میں سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد ہمارا حوصلہ اتنا پست ہو گیا تھا کہ بظاہر احوال مغربی پاکستان کا بچنا محال نظر آتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس طرح مدد فرمائی کہ امریکہ کے صدر رچرڈ نکسن نے روس کے ذریعہ بھارت پر دباؤ ڈالا کہ وہ فوراً مغربی پاکستان میں جنگ بند کر دے ورنہ امریکہ مداخلت کرے گا۔ اس طرح وہ خطرہ ٹل گیا، جو ہماری شامتِ اعمال کی وجہ سے درپیش تھا ـــ یہ چند اشارات ہیں جن کی بنا پر میرے دل میں یہ کرن پھوٹتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو تکوینی تدبیر ہے کہ عالمی سطح پر اسلام کا جو غلبہ ہو کر رہنا ہے تو شاید اس کا تعلق پاکستان کے خطۂ ارضی کے ساتھ ہو۔ شاید ہم وہ خوش نصیب قوم ہوں کہ اس کا آغاز ہمارے ہاتھوں ہونا ہو۔ ان ہی شواہد کے پیشِ نظر میں اس اُمید کو پالتا ہوں اور جب بگڑتے ہوئے حالات کے مشاہدے سے یہ اُمید مرنے لگتی ہے تو اُسے پھر زندہ رکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اُمید و بیم کی یہ دونوں کیفیات رہتی ہیں۔ اپنے کرتوتوں کو دیکھئے۔ دینی، اخلاقی، ملی اعتبار سے معاشرے کے بگاڑ کو دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے ہاتھوں آزاد قوم و ملک کی حیثیت سے رہنے کا قطعاً حق ختم کر چکے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت پر نگاہ ہوتی ہے تو اس سے اُمید ہوتی ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ ہمیں مزید مہلت دے اور ہم متنبہ ہو کر اصلاح کے لیے کمر کس لیں۔ اللہ کی طرف رجوع کریں اور وہ ہمیں اپنے سایۂ رحمت میں لے لے۔ لہٰذا ایک بات تو یہ جان لیجئے کہ پاکستان کا مستقبل وابستہ ہے حقیقی اسلام کے ساتھ ـــ اس معاملہ میں کوتاہی جاری رہے گی اور محض خالی خولی نعروں، بیانوں اور کچھ ظاہری ٹیپ ٹاپ تک معاملہ رہے گا تو قرآن کا یہ اٹل قانون سامنے رکھئے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

اسلام کے قیام و نفاذ کا صحیح منہج

دوسری بات جس کو بھی میں نے کئی بار اپنے پورے اذعان و ایقان کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اُسے اجمالاً عرض کر دیتا ہوں۔ ظاہر بات ہے کہ اس وقت تفصیلات میں جانے کا موقع نہیں ہے ـــ وہ یہ کہ پاکستان میں اسلام نہ انتخابی عمل کے ذریعہ سے آسکتا ہے نہ جنرل محمد ضیاء الحق کے عمل کے ذریعہ سے آسکتا ہے۔ یہ دونوں

عمل بالکل ناکام (Failure) ثابت ہوئے ہیں۔ تیس سال کا تجربہ ثابت کرچکا ہے کہ انتخابات کے ذریعہ سے یہاں اسلام کا کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ اس کے ذریعہ یہاں منفی (Negative) کام ہوا ہے۔ مثبت (Positive) کام نہیں ہوا ہے۔ فرقہ واریت کو ہوا ملی ہے اور اس میں تلخی بڑھی ہے اس لیے کہ اسلام کے نام پر ووٹ مانگنے والی جب پانچ جماعتیں سامنے آئیں گی تو لامحالہ ہر ایک کو اپنا اسلام علیحدہ کرنا پڑے گا، یہ اس کا منطقی نتیجہ ہے۔ اس طرح فرقہ واریت کی فضا مزید مسموم ہوئی ہے اور وحدتِ امت مزید شکستہ ہوئی ہے۔ اسلام کی طرف مثبت پیش قدمی ایک انچ بھی نہیں ہوئی — اور ان سات سال کی تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کو بدنام تو ہم کر رہے ہیں۔ حقیقت کے اعتبار سے اسلام کا دھیلے کا کام نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا یہ دونوں طریقے خارج از بحث ہیں۔ میں اپنی یہ رائے قریباً دو سال پہلے ایک خط کے ذریعہ سے صدر صاحب کی خدمت میں بھی پیش کرچکا ہوں۔

صرف انقلابی عمل ہی سے یہاں اسلام آسکتا ہے

کامل یقین اور وثوق سے میں یہ بات کہتا رہا ہوں کہ یہاں اسلام اگر آئے گا تو صرف انقلابی عمل کے ذریعہ سے آئے گا۔ کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ تو پہلی بات یہ جان لیجئے کہ پاکستان کی بقا اور استحکام صرف اسلام سے وابستہ ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ یہاں اسلام اگر آئے گا تو انقلابی طرز کی جدوجہد کے نتیجہ میں آئے گا وہ کبھی اس طرح کی کوششوں سے نہیں آئے گا جس طرح کی کوششوں پر ہم اب تک عمل پیرا رہے ہیں۔

انقلابی منہج کیا ہے؟

یہ دو باتیں تو متعدد بار بیان ہوئی ہیں۔ آج میں ایک تیسری بات کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ اسلامی انقلاب اگر یہاں آئے گا تو خالص محمدیؐ انقلاب آئے گا۔ علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام۔ خالص سنی انقلاب آئے گا اور یہ انقلاب صدفی صد اس نقشِ قدم پر ہوگا جو ہمارے پاس سیرتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی شکل میں موجود ہے۔ کوئی اور طریقہ، کوئی اور راستہ، کوئی اور Via Media، کوئی پگڈنڈی، کوئی Short cut کوئی درمیانی راستہ، کوئی نیم دلانہ (Half Hearted) کوششیں یہاں اسلام نہیں لاسکتیں۔ یہاں انقلاب آئے گا تو علیٰ منہاج النبوۃ آئے گا۔ اس کے سوا کوئی اور دوسرا

طریقہ یہاں ممکن نہیں ہے۔ مجھے یہاں امام مالک ابنِ انس رحمہ اللہ امام دارالہجرۃ۔ امام مدینہ منوّرہ کا ایک قول یاد آ گیا۔ حدیث کا مستند ترین پہلا مجموعہ موطّا امام مالکؒ ان ہی کا مرتب کردہ ہے۔ ان کے اس قول کو مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے ۱۹۱۲ء میں جب "الہلال" جاری کیا تھا۔ آج سے بہتر سال پہلے کی بات ہے تو اس میں وہ قول نقل کیا تھا۔ اس میں ہے ہمارے لیے صدفی صد اور درست رہنمائی۔ وہ قول یہ ہے : لَا يَصْلُحُ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهٖ اَوَّلُهَا۔" اس اُمّت کے آخری حصّہ کی اصلاح نہیں ہو سکے گی مگر صرف اُسی طریقہ پر جس طریقہ پر پہلے حصّہ کی اصلاح ہوئی"۔ وہ پہلا حصّہ کون سا ہے اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس ارشادِ مبارک سے سمجھیئے :۔

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ

وہ انقلاب جو برپا کیا تھا خاتم النبیّین سیّد المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے اور جس نہج سے برپا کیا تھا۔ جس انداز سے برپا کیا تھا۔ اس میں جو Methodology استعمال فرمائی تھی۔ اس میں جو مدارج و مراحل در پیش آئے تھے۔ اس کے جو لوازم پورے فرمائے تھے۔ اس میں جو تدریج ملحوظ رکھی تھی۔ ان تمام امور کو خالص معروضی طور پر (Objectively) سمجھنے کی کوشش نہیں کی جائے گی تو جان لیجئے کہ صحیح اسلامی نظام کا دنیا میں آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ تو ایک ہی راستہ ہے : بِمَا صَلَحَ بِهٖ اَوَّلُهَا۔

آخری دور کا آغاز ہو چکا ہے

اس پر پہلے بھی گفتگوئیں ہو چکی ہیں کہ وہ آخری دور شروع ہو چکا ہے۔ حالات بتا رہے ہیں۔ نبی اکرمؐ کی پیشین گوئیاں پوری ہوتی نظر آ رہی ہیں۔ "اسرائیل" کا قیام اس کی بہت بڑی مثال ہے۔ پھر اس کا سب سے بڑا ہوائی اڈا Lydda میں قائم ہے جس کا ذکر حدیث میں "لد" کے نام سے آیا ہے۔ جہاں دجّالِ اکبر حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھوں آنجناب کے نزول کے بعد قتل ہوگا۔ قربِ قیامت کی جو علامات احادیث میں بیان ہوئی ہیں ان کے لیے گویا اسٹیج تیار ہو رہا ہے۔ جیسے کسی ڈرامہ کے کسی خاص سین کے لیے پہلے سے اسٹیج سیٹ ہوتا ہے۔ تو اس طریقہ سے حالات اُسی رُخ پر جا رہے ہیں جن کی خبر دی تھی الصادق والمصدوق صلی اللہ علیہ وسلّم نے ـــــ

بیس سال ہوں۔ تیس ہوں پچاس ہوں ان سے بھی زیادہ ہوں اللہ تعالیٰ کی تقویم میں سو پچاس سال کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ لیکن بہرحال رُخ وہ نظر آرہا ہے جس کی خبریں حضورؐ نے دی تھیں۔ اسی طرح بہت سے اشارات اور شواہد سے یہ اُمید ہوتی ہے کہ شاید اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا اسی نہج پر اصلاحِ اُمّت کا عمل بھی آگے بڑھے جس نہج پر نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انقلاب برپا کیا تھا۔ کیا عجب کہ وہ خوش نصیب خطّہ، یہ خطّۂ ارضی ہو۔ علّامہ اقبال نے جو کہا تھا ؎

میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہَوا جہاں سے میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

ہم یقین سے تو کچھ نہیں کہہ سکتے بہرحال ایک ارشادِ نبویؐ میں مشرق کا ذکر تو آیا ہے۔ مَیں اِسے کسی فلسفہ سے نہیں جوڑ رہا۔ ایک اُمید کا اظہار ہے کہ شاید پاکستان کو یہ سعادت نصیب ہوجائے کہ اُس نہج پر اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور غلبۂ دین کی تجدید کے کام کا مؤثر طریق سے آغاز یہاں سے ہوجائے کہ جس نہج پر نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تیئس برس کی جاں گسل جدّوجہد کے نتیجہ میں جزیرہ نماعرب میں بنفسِ نفیس تکمیل تک پہنچایا تھا۔ اور جس کے استحکام اور توسیع کا کام علیٰ منہاج النبوّۃ خلفائے راشدین مہدیین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سرانجام دیا تھا۔ ان شاء اللہ اب اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور تجدید دین کا کام عالمی سطح پر ہوگا۔ البتّہ یہ کام شروع کسی ایک ملک سے ہوگا۔ اللہ کرے کہ وہ ملک پاکستان ہو۔ بہرحال وہ جب ہوگا تو ان شاء اللہ وہ خالص انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصّلوٰۃ والسّلام کے انداز، اسلوب اور نہج پر ہوگا

ان تمہیدی باتوں کے بعد اب ہمیں سمجھنا ہوگا کہ خالص محمدیؐ طریقِ انقلاب کیا ہے! اس پر ان شاء اللہ تعالیٰ اگلے جمعہ سے گفتگو کا آغاز ہوگا۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

قرآن حکیم کی مقدّس آیات اور احادیث نبوی آپکی دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کے لئے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

عَن انسؓ عَن النبیّ صَلّی اللہ علیہ وسلّم قَالَ

لَا یُؤمِنُ احَدکُمْ

حَتی یُحِبّ لاخیہ مَا یُحِبّ لنفسہٖ

(رواہ البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم میں سے ایک شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

رشید جیولری ہاؤس لاہور

ٹمپل روڈ — سوہا بازار

۳۱۱۴۰ — ۳۰۴۴۳۳   ۶۴۴۳۳ — ۵۶۴۷۹

پروپرائٹر: اے وحید

paragon

مراد آباد (بھارت) سے ایک مکتوب!

حضرت محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب دام مجدہم السلام علیکم

مزاج گرامی! مارچ کے اجتماع کا دعوت نامہ ملا۔ جزاکم اللہ۔ حضرت مولانا علی میاں صاحب سعودی عرب سے واپسی پر شروع اپریل میں پاکستان آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ خدا کرے دعوت قرآن کے پروگرام میں کراچی اور لاہور بھی کوئی پروگرام ہو جائے۔ بندہ نے تو ان سے عرض کیا ہے۔ (مولانا علی میاں مدظلہٗ نے اپنے ایک حالیہ مکتوب میں تحریر فرمایا ہے کہ وہ مستقبل قریب میں جب بھی پاکستان تشریف لائیں گے تو انشاءاللہ قرآن اکیڈمی کو اپنے خطابات کے لیے ضرور وقت دیں گے ——— ادارہ)

سید قطب شہید کی تالیف، قرآنی خصوصیات، سعید گجرانوی کے بدست ارسال کی تھی جو دفتر مرکزی انجمن خدام القرآن میں دے آئے تھے، خدا کرے آپ کے ملاحظہ میں آ گئی ہو۔

امارت کی انتخابی کارروائی کی تفصیل جمعیۃ العلماء ہند کی جن رپورٹوں میں آئی ہے اس کی ایک جلد مولانا سید حامد میاں کے ذریعہ آپ کو مل ہو گی۔

حضرت شیخ الہندؒ کے سلسلہ میں میثاق میں جو تحریر آپ کی شائع ہوئی ہے ماشاء اللہ خوب ہے جزاکم اللہ اس سلسلہ میں ایک بات مزید معلومات کے لیے عرض کرتا ہوں۔ حضرت شیخ الہندؒ نے سفر حجاز سے قبل جس میں اسارت مالٹا سے دوچار ہوئے اپنے خواص سے بیعت جہاد لی تھی۔ اس میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے بھی بیعت کی تھی۔ اور اپنے شیخ مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔

ماشاء اللہ مولانا عزیر گل صاحب سے ملاقات کر لی۔ یہ بھی حضرت شیخ الہندؒ کے خواص میں سے ہیں۔ حضرتؒ کی جانکنی کے وقت شاید مولانا عزیر گل صاحب مدظلہٗ بھی موجود تھے۔ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا بھی حضرت شیخ الہندؒ کے پاس دریا گنج میں ڈاکٹر انصاری صاحبؒ کی کوٹھی پر موجود ہونا تو یقین سے معلوم ہوتا ہے۔

ایک بات یہ بھی عرض کردوں کہ حضرت نانوتویؒ کے والد صاحبؒ کو آخری عمر میں اسہال کا مرض ہو گیا تھا دیوبند مسجد انار والی حجرہ قاسمی میں قیام تھا۔ چوکی اور کونڈا وہاں رہتا تھا۔ اس کی صفائی استاد شاگرد کرتے تھے۔ ایک روز کونڈا رکھنے سے رہ گیا تھا تو دست زمین پر پھیل گیا۔ شاگرد فکر مند ہوئے کہ اب کیسے اٹھائیں؟ حضرت نانوتویؒ اس وقت باہر سے تشریف لاتے اور حجرہ کے باہر ہی اس فکر و مشورہ میں شریک ہو گئے۔ حضرت شیخ الہندؒ بھی باہر سے ساتھ آئے تھے جب کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی تو حضرت نانوتویؒ حجرہ کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ جگہ بالکل صاف ہے۔ یہ صفائی حضرت شیخ الہندؒ نے کر لی تھی بس وہیں حضرتؒ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ "اے اللہ! اس لڑکے کے بارے میں قیامت کے روز میری لاج رکھ لیجیے

گا"، حضرت شیخ الہندؒ کو حضرت نانوتویؒ کی جانشینی کا شرف اسی وقت مل گیا۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ مسجد نبوی میں درس دیتے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی گرفتاری کے وقت حضرت مدنیؒ کو گرفتار نہیں کیا گیا۔ انھوں نے خود ہی اپنے آپ کو پیش کیا کہ میں اس تحریک میں حضرت کے ساتھ شریک ہوں۔ جب مالٹا سے رہائی ہوئی تو حضرت مدنیؒ کے خاندان کی مدینہ پاک میں کئی اموات ہو چکی تھیں۔ والد، بھائی، والدہ، اہلیہ، بچیاں لیکن حضرت مدنیؒ حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ ہی ہندوستان تشریف لے آئے اور آخر تک ساتھ رہے۔ وفات سے ایک روز قبل حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ میں نے مولانا آزاد سے وعدہ کرلیا تھا۔ ان کے مدرسہ دارالارشاد کے لیے ایک مدرس کا لیکن کوئی آمادہ نہیں ہے تم ہی چلے جاؤ چنانچہ حضرت مدنیؒ روانہ ہوگئے۔ راستہ ہی میں تھے کہ حضرت شیخ الہندؒ کی وفات ہوگئی بس یہی واقعہ جانشینی کا ذریعہ بنا۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ بھی برابر کے شریک تھے۔ جامعہ ملیہ کی بنیاد والا خطبہ مولانا شبیر احمد صاحبؒ نے ہی لکھا اور پڑھا تھا جس میں بتایا گیا تھا کہ پورا مغرب ہندوستان میں انگریزوں کے اقتدار کو اپنے مفادات کے لیے کتنا عزیز رکھتا ہے اور پورا مغرب انگریزی داں طبقہ کو اپنا سب سے زیادہ حامی خیال کرتا ہے۔

ماشاء اللہ مولانا اخلاق حسین قاسمی نے وہ مدرسہ رحیمیہ سنبھال لیا ہے جس نے ملت ہندیہ کی بقاء وسلامتی کا حضرت مجدد صاحبؒ والے پروگرام کو چلانے والے شاہ ولی اللہ صاحب پیدا کیے تھے۔ خدائے پاک ان سب کا آپ کو وارث وجانشین بنائے۔ آپ کی صحت کا فکر رہتا ہے۔ دعا کرتا رہتا ہوں۔ اب آپ کام کرنے والے بنائیں خود کرنے کے بجائے دوسروں سے کام لیں اور ان کی تعلیم وتربیت پر زیادہ توجہ دیں والسلام

خادم افتخار فریدی (مراد آباد —— بھارت!)

بقیہ: عرضِ احوال

سلسلہ کسی انقطاع کے بغیر جاری ہے - اسی طرح مختلف دوسرے شہروں کے دعوتی دوروں کا تسلسل بھی ہر ہفتہ تین چار دن کے لئے قائم ہے - فللّٰہ الحمد والمنۃ، قرآن حکیم کے جس مسلسل درس کا سلسلہ قریباً آٹھ ماہ سے معطل تھا - جو سورہ احقاف تک مکمل ہوا تھا - اس کا بھی بفضلہ تعالےٰ ۱۵ اپریل سے مسجد شہدا میں اجراء ہوگیا ہے - سورہ محمد زیر درس ہے - ان شاء اللہ یہ درس ہر جمعہ کو بعد نماز مغرب اسی مسجد میں جاری رہے گا -

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین ہ

احقر: محمد اسرار احمد عفی عنہ

۱۵ رجون ۸۵

حُسنِ انتخاب

عُلماء کب اُٹھیں گے؟

جب اسلامی معاشرہ کافرانہ لبادے میں دفن ہو جائے گا

محترم ایس ایم جمیل صاحب ریٹائرڈ اڈیٹر جنرل حکومت پاکستان صدر موسس انجمن اشاعت قرآن عظیم پاکستان (کراچی) ۴ اپریل کو محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے ملاقات کے لیے اکیڈمی تشریف لائے تھے۔ موصوف تو دعوتی دورے پر اسلام آباد اور پشاور تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ لہٰذا سید صاحب ازراہِ کرم و تلطف اس عاجز کے کمرے میں قدم رنجیدہ ہوتے نصف گھنٹے تک مختلف موضوعات پر موصوف نے راقم کی راہنمائی فرمائی۔ نیز ایک چار ورقہ عنایت فرما گئے جس کے مطالعہ کے بعد اندازہ ہوا کہ اس شمارے میں جو مضامین شائع ہو رہے ہیں اس کے مضمون کی ان سے بڑی مناسبت ہے لہٰذا قارئین میثاق کی خدمت میں پیش ہے

جمیل الرحمٰن !

(۱) حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق امت کے علما بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ دونوں ارشادات کے بموجب علما اسلامی معاشرے کے خصوصی رہبر اور سردار ہیں۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی امت کو اللہ تعالےٰ نے "خیر امت" سے تعبیر فرمایا ہے اور پوری امت کو خطاب فرماتے ہوئے اللہ تعالےٰ نے امت پر ذمہ داری ڈالی ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی۔

دوسرے مقامات پر اللہ تعالےٰ کے ارشاد کے بموجب دعوت الی اللہ اور دیگر ادیان پر اسلام کو برتر ظاہر کرنے کی بھی حضورؐ پر اور حضورؐ کی امت پر ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ اُمت کے ہر فرد پر لازم ہے کہ علم دین سیکھے اور دین کی حفاظت اور برتری میں اپنی جان اور مال کو وقف کر دے اور اپنے آپ کو اللہ کے ہاتھ پر بکا ہوا سمجھے یہ ذمہ داری امت کے ہر فرد پر ہے۔ البتہ جو لوگ علم والے ہیں ان پر یہ ذمہ داری بدرجۂ اولیٰ عائد ہوتی ہے اور جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر نہیں ہو سکتے۔

(۳) علمائے حق نے ہر پریشان کن اور نازک وقت پر ذاتی آرام و راحت کو چھوڑ کر دین اور معاشرۂ اسلامی کی حفاظت کے لیے سر بکف ہو کر پیش قدمی کی ہے انھوں نے سلطنت مغلیہ کے اضمحلال اور

انہدام اور سلطنت برطانیہ کے موقع پر لے بار دو مددگار رہتے ہوئے اور بغیر اسباب ظاہرہ کے اسلام کی مدافعت میں ایسی مضطربانہ اور والہانہ کوششیں کیں کہ برصغیر کے مسلمان، عیسائی مشنریوں کے اثر سے محفوظ ہے اور ہزار میں سے ایک مسلمان بھی انگریزوں کے صد سالہ دور حکومت میں عیسائی نہیں ہوا۔ صرف یہی نہیں بلکہ مکمل شکست و ریخت کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمانوں میں دین اور اسلامی معاشرے کے سلسلہ میں خود اعتمادی پیدا ہوئی۔ اور پورے برصغیر میں عزم و حوصلہ اور خود اعتمادی کی لہر دوڑ گئی تا آنکہ پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔

افسوس کہ گزشتہ تیس چالیس سالہ دور میں بہت غلطیاں اور لاپرواہیاں ہوئیں اور اسلام کے نام پر بنائے ہوئے اس ملک میں غیر اسلامی خیالات اور رجحانات کے مراکز اور انجمنیں بن گئیں اور اس ملک میں نفاذِ اسلام ایک حقیقت کے بجائے چیلنج اور سوال بن گیا۔ ہر مسلمان اور عام مسلمان سے زیادہ ہر عالم دین پر لازم ہے کہ سب اختلافات و کشاکشوں اور ذاتی مفادات و مصلحتوں کو چھوڑ کر اس بنیادی، تباہ کن خطرے کو دور کرنے کی مہم پر آمادہ ہو جائیں۔

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہو گا پھر کبھی
دوڑو! زمانہ چال قیامت کی چل گیا

(۵) اسلام نہایت کم مادی وسائل کے عالم میں ابھرا اور زاہدانہ زندگی، تقوے، جہاد اور بلند اخلاق کی بنیادوں پر بجلی کی طرح پھیلا اور ہر جگہ ایسا محبوب بنا کہ وہاں کے غیر مسلم لوگ مسلمان ہو کر اسلام کے جانباز سپاہی بنے۔

اب ہم کو دوبارہ احکام قرآنیہ اور سنت نبویہ پر کاربند ہوتے ہوئے "حب الدنیا وکراهية الموت" کی بجائے تقوے، توکل اور تبتّل کی طرف آنا چاہیے اور زاہدانہ جفاکشی اور ذکر کو اپنا شعار بنانا چاہیے۔

(۶) آج کل علماً کی توجہات مدرسہ کی حدود میں اور مساجد کے امام بنانے میں صرف ہو رہی ہیں عوام اور ان کے منتخب خواص سے رابطہ نہ ہونے کے برابر رہ گیا ہے۔

(۷) اب اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ایک سنہری موقع دیا ہے کہ عوام بالعموم اور علماء بالخصوص اپنی سابقہ غلطیوں کا احساس کرتے ہوئے بیدار ہو جائیں۔ استغفار اور ذکر کے ساتھ اپنی اور معاشرے کی اصلاح میں سرگرم عمل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ دین کے لیے کام کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد اور کامیابی یقینی ہے۔

(۸) اسلام پھیلا ہے اور اسلام محکم ہوا ہے مسلمانوں کے خصوصاً علماً کے تقوے، توکل، اور مجاہدانہ زندگی سے راتوں کے ذکر اور دعاؤں سے بقولہ تعالیٰ:

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ۔ (سورة الزمر - ۹)

یہ بات قابلِ غور ہے کہ ابتدائی طور پر جب مسلمان بالعموم مجاہدانہ زندگی گزارتے تھے۔ علماء اور غیر علماء میں طبقاتی حیثیت سے تفریق نہیں تھی۔ البتہ بعض لوگ علم اور تقوےٰ میں دوسروں سے زیادہ ممتاز ہوا کرتے تھے اور عوام ان کی صحبتوں اور مذاکرات سے مستفید ہوتے تھے۔ آخرت کی زندگی اور اللہ تعالےٰ کی رضا کے حصول کا جذبہ علماؑ کی سرکردگی میں عوام، خواص، علماؑ اور حکام سب کو حاصل ہو۔ یہی استحکام اور ترقیات کی بنیادیں تھیں۔ اس زمانہ میں مروجہ مدارس نہ تھے مگر کتاب و سنت کا علم و عمل پہنچانے والے ہر جگہ موجود اور سرگرم عمل تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام پورے معاشرے میں جاری تھا اور اس کا دھاک اور مسلمانوں سے بے لاگ انصاف اور حق کے لیے جانبازی کا دھاک اطراف عالم پر تھا اور یہ خصوصیات زندگی ہر معرکہ میں اللہ تعالےٰ کے ہاں سے نصرت اور کامیابی لانے والی تھیں۔ ہر شخص تکمیل احکام اور تقوےٰ میں پیش قدمی اور سبقت لے جانے کا خواہاں تھا۔ بقولہٖ تعالےٰ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا ؕ

تقوےٰ کی دوڑ اور مسلسل کوشش اسلامی معاشرے کی فضا میں لازم و ملزوم تھی اور تقوےٰ کا نصاب قرآن شریف اور احادیث میں واضح طور پر مکرراً اور تاکیداً ارشاد فرمادیا گیا تھا تاکہ اس سے کوئی شخص لاپرواہ نہ رہے اور جاننے والے اور نہ جاننے والوں کا ایسا ارتباط تھا کہ تقوےٰ اور اتباعِ سنت نبویؐ کے سلسلہ میں پورے معاشرے میں ہم آہنگی، یک رنگی کی کیفیت پائی جاتی تھی۔ ضرورت ہے کہ یہ باہمی رابطہ دوبارہ پورے طور پر قائم اور مستحکم ہو اور جاننے والے، نہ جاننے والوں میں علم و عمل کی پیاس پیدا کریں۔ جیسا کہ سابقہ ادوار میں ہوتا آیا ہے۔

(۹) آج کل بعض جگہ ذکر آرہا ہے کہ مدارس دینیہ کے نصاب میں انگریزی زبان، جغرافیہ، ریاضی اور سائنسی علوم کو شامل کیا جانا ضروری ہے۔ مناسب طور پر نصاب میں ان چیزوں کا اضافہ کر دینے میں حرج نہیں ہے مگر بنیادی ضرورت اس کی ہے کہ ان مدارس میں کتاب اللہ، سنت نبویؐ اور صحابہؓ کی عملی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لایا جائے۔ تقوےٰ، توکل اور تبتّل اور مسلسل مجاہدانہ زندگی، دنیا اور آخرت دونوں کے لیے کامیابی اور عزت کی بنیادیں ہیں۔ فلسفہ اور منطق اور انگریزی زبان وغیرہ بالکل بعد کی چیزیں ہیں۔ اور انگریزی زبان کے ساتھ انگریزی طرز معاشرت اور نظریاتی زندگی کی اہمیت طالبعلموں کے ذہنوں میں آگئی تو یقینی طور پر اسلامی علم و عمل کے لیے سم قاتل ہے۔

(۱۰) سیاسی غلامی سے زیادہ ذہنی اور قلبی غلامی تباہ کن ہے جس میں پاکستانی قوم خصوصاً نوجوان نسل گرفتار ہے اور دن بہ دن غیروں کی ذہنی غلامی، دنیا کی محبت، اتباعِ ھوٰی (خواہشاتِ نفس کی غلامی)، آرام و راحت اور عیش پرستی کی جانب نہایت تیزی سے پیش قدمی کر رہی ہے اور اس دلدل میں دن بدن پہلے سے زیادہ پھنستی چلی جارہی ہے۔ مسلمان قوم اور مسلم معاشرے کی اصلاح کی اور اس کا رخ بدلنے کی ہنگامی کوششوں کی ضرورت ہے اور اس کی زیادہ تر ذمہ داری علماؑ پر عائد ہوتی ہے۔ اس ذمہ داری سے کما حقہ سبکدوشی

کے لیے متذکرہ بالا اسلامی بنیادوں کو ازسرنو زندہ کرنا پڑے گا ان پر کاربند ہونا پڑے گا۔ اس کے بغیر اصلاح معاشرہ کا اور مسلمانوں کو تباہی سے بچانے کا مقصد حاصل کرنا ناممکن ہے۔ اگر اس وقت اس جانب ہنگامی بنیادوں پر توجہ نہ دی گئی تو اسلامی معاشرے کو کفر اور لادینیت کی دلدل میں دفن ہونے سے بچانے کا موقع ہاتھ سے نکل جائے گا اور پاکستانی قوم اور پاکستانی معاشرہ بھی بہت سے دوسرے اسلامی علاقوں کے معاشروں کی طرح ہمیشہ کے لیے دفن ہوجائے گا۔

ائمہ مساجد کی ذمہ داریاں

(۱) نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو اللہ تعالےٰ نے "خیرِ اُمت" کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ (آل عمران) دنیا کی بہترین امت اس واسطے کہ کارِ نبوت اس امت سے لیا جائیگا۔

(۲) اس امت کا ہر فرد اس امر پر مامور ہے کہ "امر بالمعروف" "نہی عن المنکر" اور "دعوت الی اللہ" کا کام کرے اور اس کام کے لیے امکان بھر تیاری کرے اور اپنے آپ کو اللہ کے ہاں بکا ہوا سمجھے۔

(۳) یہ فریضہ خاص طور پر ان افراد پر عائد ہوتا ہے جو علم دین کی دولت سے بہرہ ور ہیں اور اگر مساجد کے امام بھی ہوں تو اس علاقے کے لیے راہ دکھلانے کی ذمہ داری ان پر مزید طور پر آتی ہے۔

(۴) اسی نظام کے تحت جب اسلام پھیلا تو ہر جگہ کے لیے امام بھیجے گئے۔ انھوں نے ہر جگہ اپنی ذمہ داری ایسی ادا کی کہ ہر جگہ دین کے علم وعمل کا نور چمکا۔ دور دور علاقوں میں بھی ہر جگہ مساجد، دینی علوم اور تقویٰ کا مرکز بن گئیں اور عوام میں علم وعمل کی تلاش اور پیاس پیدا ہوئی۔

(۵) پاکستان بھی اسلام کے نام پر بنا تھا مساجد اور علمی کتابیں پہلے سے موجود تھیں اور ان میں حیرت انگیز طور پر سوگنا ترقی ہوئی۔ مگر مادیت کی طرف توجہات کی وجہ سے مقاصد کی طرف سے لاپرواہیاں برتی گئیں اور معاشرے میں خرابیاں اور دینی نقصانات رونما ہوئے۔

(۶) اب وقت آگیا ہے کہ مساجد کے امام اپنی پوری ذمہ داریاں ادا کریں اور سابقہ غلطیوں اور کوتاہیوں کا کفارہ ادا کریں ورنہ لادینیت کی مسلسل لہریں اور بیرونی دشمنان دین کی کوششیں تباہی کے خطرات کو دوچند کیے ہوتے ہیں۔ صرف پوری کوشش سے سابقہ لاپرواہیوں کا ازالہ ہوسکتا ہے۔ تمام اختلافات کو مٹا کر والہانہ طور پر قرآن وسنت کی روشنی کو قائم کرنا اور بڑھانا ہے۔

(۷) اللہ تعالےٰ کا مستقل حکم ہے کہ ہر مردِ مومن اللہ کے ہاتھ جان ومال کے ساتھ بکا ہوا ہے اگر اس کا عملی ثبوت ہم سب نے اور خصوصاً اہل علم نے نہ دیا تو نہایت پریشان کن تباہی کو دور نہیں سمجھنا چاہیے۔ پورے ماحول کا تقاضا ہے کہ ہر اہل علم وبصیرت کو اس تعمیری کام میں بلا تاخیر سرگرم عمل ہوجانا چاہیے تاکہ اسلامی معاشرہ بھی بنے اور استحکام پاکستان کا مقصد بھی حاصل ہو۔

مولانا محمد زکریا
سربراہ پاکستان سنی اتحاد

مُلک کا مایۂ ناز مشروب، دیس دیس مرغوب
لُو گرمی اور تپش کی شدت سے جب جسم نڈھال اور جان بے حال ہو جائے تو پیاس بجھنے کا نام نہیں لیتی۔
مشرق کے حکما نے صدیوں کی جستجو اور تجربوں کے بعد ایسی جڑی بوٹیاں دریافت کیں جن میں انسان کے جسمانی نظام کو ٹھنڈک اور تازگی پہنچانے والے مؤثر اجزا شامل ہیں۔
رُوح افزا اسی مسلسل تحقیق کا حاصل ہے۔ یہ قدرتی جڑی بوٹیوں، پھولوں اور پھلوں سے تیار کیا جاتا ہے۔ اسی لیے کوئی دوسرا مشروب اس کا ثانی نہیں۔
رُوح افزا ایک خوش ذائقہ، خوش رنگ اور پُر تاثیر مشروب ہے جو جسم و جان کو فرحت پہنچا کر فوری پیاس بجھاتا ہے اور تر و تازگی لاتا ہے۔
بے شک - بے مثال
رُوح افزا
مشروبِ مشرق
ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں
آفیشل مشروب
ورلڈ اوپن اسکواش چیمپین شپ
۱۹۸۳
جب لوگوں کو اچھا کام کرتے دیکھو تو اُن کے ساتھ شریک ہو جاؤ
Adarts HRA-1/85

فریش ویل
سوئیٹس
صدیوں پرانی روایات کی حامل ہماری مٹھائیاں اور حلوہ جات یقیناً ہمارے ذائقے اور لذت کی غمازی کرتی ہیں۔ احمد نے اس قدیم پیشے کو جدید دور کے تقاضوں سے ہمکنار کیا اور اپنی مصنوعات کو بالکل منفرد انداز میں پیش کیا۔
پاکستانی تہذیب کا آئینہ دار
دنیا کے ہر براعظم میں احمد کی مٹھائیاں اور حلوہ جات پاکستانی تہذیب اور روایات کی شناخت ہیں۔
ZAFRANI JAMAN
حلوہ جوزی
Freshwel
Freshwel
Freshwel
Freshwel
جدید ترین نائٹروجن پیکنگ پلانٹ پر سیلوفین پیکنگ کے ساتھ پیک کئے جاتے ہیں تاکہ تازگی اور خستگی ہمہ وقت برقرار رہے
ٹین کے لیڈ بغیر ٹن کٹر آسانی سے کھل جاتے ہیں۔
سوہن حلوہ
کراچی حلوہ
حبشی حلوہ
حلوہ جوزی
رس گلے
زعفرانی جامن
سوہن ڈیلائیٹ
تلے ہوئے مصالحہ دار بادام
مٹھائیوں میں روایتی اور صنعتی معیار کے خالق
AHMED
احمد کراچی حلوہ مرچنٹ لمیٹڈ
ڈی-۱۱۲، سائیٹ، کراچی۔ فون: ۹۵-۲۹۴۲۹۱

MASS

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سانیو

SANYO

AIRCONDITIONERS REFRIGERATORS & FREEZERS

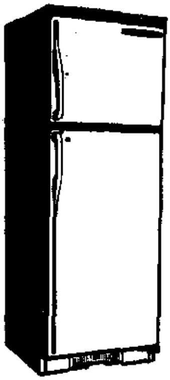

NO-FROST REFRIGERATORS

with exclusive features

- Two door with built-in lock.
- Spacious freezer compartment with drainage system, a new feature.
- Indicator pilot light on front door.
- In 4 pleasing colours (Green, Gold, Almond and White).
- One Year free service and 5 Years Guarantee on Compressor.

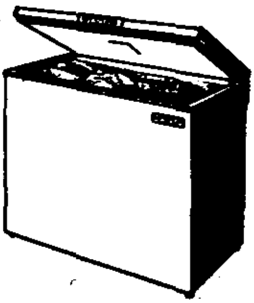

CHEST/UPRIGHT FREEZERS

AIR-CONDITIONERS

new in utility
with higher efficiency

Capacity: 1½ Ton, 18000 BTU/h
Noiseless Operation.
Trouble Free Service. Auto Deflector (Swing System).
Brown Teak Wood finish Grill.

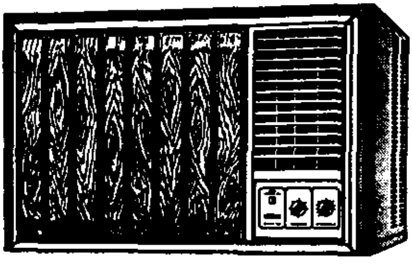

Available at all
SANYO
Authorised Dealers

MANUFACTURED/ASSEMBLED IN PAKISTAN

SPECIAL ATTENTION: Please ensure that you get your Worldwide Trading Company's 5 year Guarantee Certificate in order to avail free after Sales Service.

SOLE AGENTS IN PAKISTAN FOR ALL SANYO PRODUCTS

WORLDWIDE TRADING CO.

(SANYO CENTRE)
GARDEN ROAD, SADDAR, KARACHI. PHONE 725602
CABLE: "WORLDBEST" TELEX: 25109 WWTCO PK

786/WW-109/83

ٹینٹ اور ترپال

بنانے کا
ممتاز ادارہ

ایچ نظام دین
اینڈ سنز

مرکزی دفتر
محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

PEPSI

MIRINDA

پنجاب بیوریجز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۲۶۰۳۶ / ۲۳۹۳۱

Regd. L. No. 7360

MONTHLY **MEESAQ** LAHORE

Vol. 34	MAY 1985	No. 5

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

ایک اور اعزاز

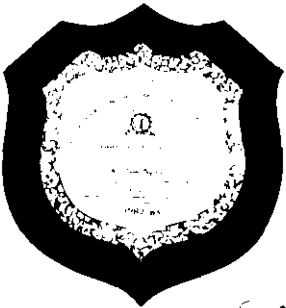

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے گزشتہ سالوں کی طرح ۱۹۸۲-۸۳ء کے دوران
بھی ہماری بہترین برآمدی کارکردگی اور وطن عزیز کے لیے کثیر زرمبادلہ کمانے پر فیڈریشن آف
پاکستان چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری کی جانب سے ہم ایک بار پھر

بہترین برآمدی کارکردگی کی ٹرافی

کے مستحق قرار پائے

یہ ٹرافی جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب صدر پاکستان نے ایک پُروقار تقریب میں اپنے ہاتھوں سے ہمیں عطا فرمائی۔

ہمیں خیمے، ترپالیں اور کینوس کی دیگر مصنوعات کے سب
سے بڑے برآمد کنندگان ہونے کا بجا طور پر شرف حاصل ہے۔

SNDS

حاجی شیخ نورالدین اینڈ سنز لمیٹڈ

پاکستان میں کینوس مصنوعات کے سب سے بڑے برآمد کنندگان

ہیڈ آفس: حفیظ چیمبرز، ۸۵۔ شاہراہ قائداعظم، لاہور (پاکستان)

فون: ۳۰۶۴۶۸ - ۳۰۵۴۶۹، تار: شاہی خیمہ، ٹیلکس: 44543 NOOR PK

ایکسپورٹ آفس: ۶۱۴-۶۱۶ کامرس سینٹر، چھٹی منزل، حسرت موہانی روڈ، کراچی (پاکستان)

فون: ۲۱۳۵۴۰ - ۲۱۴۳۱۰، تار: TARPAULIN، ٹیلکس: 25480 NOOR PK